والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولٰئک ہم الصدیقون

اولیا را ہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گردانند ز راہ

اللہ تعالیٰ کا بے حد و بے عدد احسان و کرم و فضل کہ کتاب مستطاب

مسمّٰی بہ

تذکرۃ الصدیقین علیہم السلام

مشتمل بر حالات و ملفوظات حضرت زینت الاولیاء حضرت خواجہ

زین الحق والدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

احقر الانام، سراپا آلودۂ غفلت و عصیان نیاز آگین محمد الدین بکھڈی

کی وساطت سے طبع ہوئی

مطبوعہ: فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور

شیخ المشائخ قطب الاقطاب
حضرت خواجہ
شاہ محمد سلیمان تونسوی
رحمۃ اللہ علیہ
المعروف پیر پٹھان
کی سوانح حیات مبارکہ کی کتب ہمارے پاس
PDF فائل میں دستیاب ہیں
PDF

الصلوٰۃ والسلام علیک یاسیدی یارسول اللہ
پرائمری اور مڈل امتحان دینے
والے طلباء کیلئے داخلے جاری ہیں
رحمۃ اللہ علیہ
جامعہ مولانا احمد تونسوی
حفظ القرآن مع التجوید
درس نظامی
عصری تعلیم
مہتمم
غلام عباس چشتی
0318-6384966
0348-7019706
نزد قبرستان فلٹریشن پلانٹ منگڑوٹھہ روڈ
تونسہ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْاَجَلِّ الَّذِیْ مَنَّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ بِبَعْثَۃِ حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدِ
نِ النَّبِیِّ الْعَلِیِّ الْاَکْمَلِ وَزَیَّنَ الدِّیْنَ الْقَوِیْمَ بِوُجُوْدِ اَصْفِیَائِہٖ وَاَوْلِیَائِہٖ
الْکُمَّلِ وَاَحْیٰی رُسُوْمَ الشَّرْعِ وَالدِّیْنِ بِالْعُلَمَاءِ الْکَامِلِیْنَ فِی الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ اُولٰٓئِکَ
الَّذِیْنَ کَتَبَ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَہُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ہُمُ الَّذِیْنَ شَرَحَ اللّٰہُ صُدُوْرَہُمْ
لِلْاِسْلَامِ فَہُمْ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہِمْ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ لَّمْ یَشَاءِ اللّٰہُ ہِدَایَتَہٗ
فَلَہُ النُّوْرُ لَمْ یَجْعَلْ فَمَنْ اَنْکَرَہُمْ وَخَالَفَہُمْ وَعَادَاہُمْ فَقَدْ اٰذَنَہُ اللّٰہُ بِالْحَرْبِ فَہُوَ اَخْزٰی وَ
اَضَلُّ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی الشَّاہِدِ الْمُبَشِّرِ النَّذِیْرِ وَالسِّرَاجِ الْمُنِیْرِ مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ
ہُوَ سَیِّدُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَفْضَلُ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ مَنْ تَمَسَّکَ بِذَیْلِہِمْ نَجَا
مِنَ الْکُفْرِ وَالْفُسُوْقِ وَالزَّلَلِ

اَمَّا بَعْدُ ارباب عقل و بصیرت پر مخفی نہ رہے کہ احقر العباد ہیچ مدان سراپا آلودہ غفلت و
عصیان محمد الدین عفی اللہ عنہ زلات الدنیا والدین خلف ناخلف حضرت رئیس المتوکلین قدوۃ
الزاہدین مولانا غلام محی الدین احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند عرصہ پہلے کتاب مستطاب مسمی بہ تذکرۃ
الولی مشتمل بر حالات و کرامات حضرت شمس العارفین قطب الکاملین محب النبی حضرت مولانا محمد علی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ حسب استعداد مرتب اور طبع کرا کے طالبان حق شائقان باصفا کے سامنے پیش کی۔ اب اس
ہیچ مدان نے حسب وعدہ ارادہ کیا کہ حضرت سلطان التارکین برہان العاشقین حضرت خواجہ زین الحق و
الدین الملقب بہ زینت الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ حالات و کرامات و ملفوظات جو تذکرۃ المجبوب

میں مولوی عبدالغنی صاحب نے درج فرمائے ہیں اور وہ کرامات جو راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد کی زبانِ مبارک سے سنے یا کسی اور معتبر قابلِ وثوق ذریعہ سے معلوم کئے۔ ان سب کو ایک مجموعہ میں جمع و ترتیب کروں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی صاحبِ عقلِ سلیم کو اس سے مستفید فرماد یوے اور اس ہیچمدان کے اس عمل کو مقبول فرماکر اس عاصی کے لئے باعثِ مغفرت و نجات فرما دیوے۔ وَاللّٰهُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي إِلَىٰ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَهُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ط

اور اس مجموعہ کا نام تذکرۃ الصدیقین تجویز کیا۔ اللہ تعالیٰ منظور و مقبول فرماوے۔ بیت ؎

جان و دل از ذکر خواجہ پر ضیا است ✤ چونکہ ذکرش ذکر حق را رہنما است

مولانائے روم فرماتے ہیں ؎

یادِ او سرمایۂ ایمان بود ✤ ہر گدا از یادِ او سلطان بود

طالبانِ حق پر مخفی نہ رہے کہ موجودہ دَور چونکہ دَورِ شر و فساد ہے اور عقاید نجدیت کثرت سے پھیل چکے ہیں اور کثرت سے پھیل رہے ہیں اور اولیاء اللہ کے حالات و کرامات کا انکار اور ان کے کرامات کو بطورِ تمسخر منبروں پر ذکر کر کے ان پر مذاق اڑایا جاتا ہے اور ان کی تکذیب کی جاتی ہے۔ اس لئے اس امر کے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کلامِ مجید میں صراطِ مستقیم کی تفسیر صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے فرمائی ہے یعنی صراطِ مستقیم وہ راستہ ہے جس پر وہ لوگ گامزن ہوئے جن پر اللہ تعالےٰ نے انعام فرمایا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے پانچویں پارہ سورۃ النساء میں مُنعَم عَلَيْهِم کو بیان فرمایا مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ یعنی منعَم علیہم چار فریق ہیں۔ انبیاء علیہم السلام۔ صدیقین۔ شہداء۔ صالحین اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ستائیسویں پارہ سورہ حدید میں فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی لوگ صدیق ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں ایمانِ کامل مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ صدیق وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولوں پر

ایمان کامل ہے اور وہ کون ہیں؟ اولیاء اللہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات بینات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ دین اسلام میں وہ راستہ ہے جس پر انبیا علیہم السلام اور اولیاء اللہ اور شہدا اور صالحین امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے ہیں اور وہ صرف ایک راستہ ہے۔ اس کے سوا سب راستے ٹیڑھے اور غلط ہیں تو نتیجہ یہ نکلا کہ علماء سوء متبعین نجد وخوارج و معتزلہ اپنے ان مطالب پر، اپنے ان عقائد پر جو کہ منعم علیہم کے عقائد اور مطالب سے مخالف ہیں قرآن کریم اور احادیث پاک سے جتنے دلائل واستشہاد پیش کریں تعین کر لینا چاہئے کہ یہ استدلال فاسد ہیں۔ ان سے مقصود عوام۔ سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہے۔ اسلام کے مدعی جتنے فرق ہیں، وہابی ہو، رافضی ہو، مرزائی ہو سب اپنے دعاوی باطلہ پر قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرتے ہیں لیکن جو شخص قرآن کریم والی تفسیر صراط مستقیم کو یاد اور ملحوظ رکھے وہ ان کے دھوکہ میں نہیں آسکتا لیکن عوام سادہ لوح قرآن کریم کی آیات سن کر جلدی دھوکہ میں آجاتے ہیں لہذا ضروری ہے کہ چند مسائل کو ایک مقدمہ میں ذکر کیا جاوے وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

مقدمہ

اہل حق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ سے امور خارق عادت کا ظاہر ہونا جیسے ہوا پر چلنا، دریا پر چلنا، دور سے آواز سن لینا، دور سے دیکھ لینا، غائبانہ امداد کرنا، مشکل امور کا ان کی دعا و توجہ سے آسان ہو جانا وغیرہ وغیرہ ممکن اور واقع ہے جیسے کہ راقم آثم تذکرۃ الاولیٰ کے مقدمہ میں بالتفصیل عرض کر چکا ہے۔ موجودہ دور میں یہ وبا عام پھیل چکی ہے اور پھیلتی جا رہی ہے کہ اولیاء اللہ کو حاجت روا سمجھ کر ان کے آگے حاجت روائی کی التجا کرنا شرک ہے۔ اولیاء اللہ کو دور سے سننے والا۔ دیکھنے والا سمجھ کر حاجت روائی کے لئے پکارنا شرک ہے۔ قبور اولیاء اللہ پر جانا شرک ہے۔ مزار کو بوسہ دینا شرک ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اہل قبور ہماری کسی قسم کی امداد کر سکتے ہیں شرک ہے اور ان امور کے شرک ہونے پر قرآن کریم کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جو کفار اور ان کے بتوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔ یعنی

قرآن کریم میں جہاں جہاں اصنام یعنی بتوں کا ذکر ہوا ہے۔ ان کے نزدیک اس سے مراد قبور انبیاء و اولیاء ہیں اور مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے مراد انبیاء و اولیاء ہیں اور انبیاء و اولیاء کی تعظیم کرنے والے مشرک اور کافر ہیں۔ یعنی ان حضرات کے نزدیک کفار کے بت اور انبیاء و اولیاء کی مزارات بالکل یکساں ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی تعظیم کرنا۔ ان کے پاس حاجات لے جانا اور ان کو باذن اللہ حاجت روا سمجھنا ان کو رب اور خدا سمجھنا ہے جو کہ شرک ہے۔ اولیاء اللہ کو بلکہ رسول اللہ کو غائبانہ پکارنا ان کو خدا سمجھنے کے مرادف ہے جو کہ شرک ہے اور ان امور کے عامل مشرک و کافر ہیں۔ یہ ہے ان حضرات کے مسلک کا مختصر سا خاکہ۔ اب اس کے متعلق پہلے اس بات کو ذہن نشین فرمالیں کہ ان حضرات کا یہ عقیدہ خارجیوں کی اتباع ہے۔ صحیح بخاری شریف باب قتال الخوارج والملحدین پارہ اٹھائیسواں صفحہ ۱۰۲۴ مطبوعہ مجتبائی میں امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک قول ذکر فرمایا ہے وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا یَرَاھُمْ شِرَارَ الْخَلْقِ وَقَالَ اِنَّھُمْ اِنْطَلَقُوْا اِلٰی اٰیَاتٍ نَزَلَتْ فِی الْکُفَّارِ فَجَعَلُوْھَا عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی ابن عمرؓ خوارج کو بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ اس راستہ پر چلے ہیں کہ جو آیات قرآن کریم میں کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو انہوں نے مسلمانوں پر منطبق اور چسپاں کر دیا۔ جاننا چاہیے کہ خوارج وہ فرقہ ہے کہ باوجود کلمہ گو ہونے کے اور مدعی اسلام ہونے کے نماز وغیرہ اعمال اسلام پر کاربند ہونے کے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ لڑائی کرنے اور ان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور ان کے علامات ذکر فرمائے جیسے کہ احادیث شریفہ میں مذکور ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی دور خلافت میں ان سے لڑائی کی اور ان کو قتل کیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو کہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں اس بنا پر کہ انہوں نے آیات کلام اللہ میں تحریف کی ہے یعنی جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیا ہے لہٰذا ان پر بدترین مخلوق ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے تو جو حضرات کہ خوارج کی تقلید میں یہی مسلک اختیار کریں ان کا حال ظاہر ہے۔ اب وہ الفاظ جن سے یہ متبعین خوارج سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ ان سے چند الفاظ کے معانی کا مطابق اصطلاح قرآن وحدیث ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ طالب حق

پر حقیقت واضح ہو جائے اور ان کے دھوکہ سے بچ جاوے۔ وہ الفاظ یہ ہیں: (۱) رب (۲) شرک (۳) ولی (۴) من دون اللہ (۵) دعا (۶) عبادت۔

اول ربّ کی تعریف جو کہ متبعین خوارج نے کی ہے غلط ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین میل کی مسافت سے (کیونکہ فوج سلیمانی کا احاطہ تین میل تھا جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے) ایک چیونٹی کی آواز کو سن لیا اور اس پر تبسم فرمایا فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا یعنی سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی نملہ کے قول سے تبسم فرمایا۔ یہ غائبانہ مسافت بعیدہ سے سن لینا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر نبوی پر مدینہ طیبہ میں کھڑے ہو کر ساریہ امیر فوج کو ایک مسافتِ بعیدہ پر اپنی آواز سنا دی، اس کی حالت کو دیکھ لیا۔ یہ ہے مسافتِ بعیدہ پر غائبانہ دیکھنا اور آواز کا پہنچا دینا، سنا دینا۔ تو ایسے امورِ خارقِ عادت انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام اور اولیاء اللہ سے صادر ہوتے رہے ہیں۔ ان کی بنا پر کسی نے ان کو ربّ نہیں سمجھ لیا اور موجودہ دور میں تو سائنس نے آواز کو دور پہنچانا اور دور سے آواز کو کھینچ لینے کو عام فہم کر دیا ہے۔ جب یہ امور مادیات کے ذریعے سے ممکن اور واقع ہیں تو روحانیت سے بطریقِ اولیٰ یہ امور ممکن ہیں کیونکہ روح کی طاقت مادہ سے زیادہ ہے۔ یہ علاوہ چیز ہے کہ کسی نے اپنے عقائد فاسدہ اور اعمال خبیثہ سے روح کی طاقت کو بیکار کر دیا ہو۔ ربّ کی تفسیر صحیح وہ ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ نازل ہوئی تو عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہ عیسائیت سے مسلمان ہوئے تھے۔ عرض کی، یا رسول اللہ! ہم احبار و رہبان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، کیا وہ تمہارے لیے اشیاء کی حرمت اور حلت کے فتوے نہیں دیتے تھے اور تم ان کے اقوال پر عمل کرتے تھے؟ عرض کی عدی رضی اللہ عنہ نے ہاں یا رسول اللہ! فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہی چیز ہے ربّ بنانا۔ اس فرمانِ نبوی نے بیان فرمایا کہ کسی کو ربّ بنانے کا یہ معنے ہے کہ کسی کو اشیاء کے حرام اور حلال کرنے کا مختار سمجھے اور اس کے قول کو واجب التسلیم سمجھ کر اس پر عمل کرے۔ غائبانہ مسافتِ بعیدہ سے دیکھنے والا اور سننے والا

وغیرہ وہ امور جن کا بطور خرق عادت عباد اللہ سے صادر ہونا قرآن کریم اور احادیث نبوی سے ثابت ہو کسی ولی اللہ میں ان اوصاف کے ہونے کا عقیدہ رکھنا نہ اس کو رب بنانا ہے اور نہ شرک ہے۔ اور اشیاء کی حرمت وحلت صرف بذریعہ وحی جلی یا خفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ہو سکتی ہے اور حلال خدا کو حلال جاننا اور حرام خدا کو حرام جاننا ایمان اور اس کا عکس کفر ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کو حرام وحلال کرنے کا مختار سمجھنا اس کو رب بنانا ہے اور کفر ہے۔

دوسرا لفظ شرک ہے۔ جاننا چاہیئے کہ شرک بلحاظ لغت کے مطلق حصہ دار ہونے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں رب تعالیٰ کی ذات یا صفات یا احکام یا افعال میں کسی غیر کو رب تعالیٰ کے برابر مساوی سمجھ لینے کا نام شرک ہے اور کفار عرب کا شرک پانچ اقسام کا تھا۔ قسم اول۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا بالکل انکار اور اللہ تعالیٰ کی سب صفات زمانہ کے لئے ثابت کرنا اور زمانہ کو مستقل مؤثر حقیقی سمجھنا ان کو دہریہ اور کمیونسٹ کہتے ہیں۔ اس عقیدہ میں زمانہ کو اللہ تعالیٰ کے مثل اور مساوی جاننے سے شرک لازم آگیا۔ دوسرا قسم اللہ تعالیٰ کو خالق اشیاء ماننا مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی مستقل خالقوں کا وجود ماننا جیسے خالق خیر یزدان وخالق شر اہرمن۔ اس عقیدہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے مساوی اور خالق ماننے سے شرک لازم آگیا تیسرا قسم اللہ تعالیٰ کو واحد ماننا مگر اس کی اولاد لڑکے یا لڑکیاں ماننا۔ اور اولاد ماں باپ کے ساتھ مساوی ہوتی ہے لہٰذا یہ عقیدہ بھی شرک ٹھہرا چوتھا قسم اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا مگر ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ایک بار پیدا کر کے تھک گیا ہے۔ اب اس کی خدائی کو چلانے والے یہ ہمارے معبود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں کرتا سب کچھ ہمارے معبودوں کے اختیار میں ہے۔ اس عقیدہ کا شرک ہونا بھی ظاہر ہے۔ پانچواں قسم اللہ تعالیٰ کو واحد خالق ماننا مگر یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ عالم کے کاروبار چلانے میں ہمارے معبودوں کا محتاج ہے۔ یہ اس کی بادشاہی میں دخل دینے والے ہیں جیسے اسمبلی کے ممبر کہ گورنر بغیر منظوری ممبران کے کوئی کام نافذ نہیں کر سکتا اور جیسے کہ ممبران باوجود تابع اور رعایا ہونے کے بادشاہ پر دھونس اور غلبہ رکھتے ہیں کہ اگر بادشاہ کی مرضی کے خلاف ہو تب بھی وہ اپنے غلبہ اور دھونس سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے معبود دھونس سے شفاعت

کرتے ہیں کہ ان کی بات خدا کو مجبوراً ماننی پڑتی ہے۔ ہمارے معبودوں کے دخل کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی کام چلا نہیں سکتا۔ اس عقیدہ کا شرک ہونا اظہر من الشمس ہے۔ ان پانچوں قسم کے شرک کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ ذکر فرما کر مفصلاً ہر ایک کی تردید فرمائی ہے اور سب اقسام کی تردید اجمالاً سورۂ اخلاص میں فرمادی ہے۔ یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ دہریہ کا رد اَحَدٌ دوسرے قسم کے شرک کا رد اَللّٰهُ الصَّمَدُ پانچویں قسم شرک کا رد لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ تیسرے قسم شرک کا رد وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ چوتھے قسم شرک کا رد۔

خلاصہ یہ ہے کہ شرک کا مدار مساوات و برابری پر ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یعنی کفار مشرکین قیامت کے دن اپنے معبودوں سے کہیں گے۔ قسم ہے اللہ کی۔ ہم کھلی گمراہی میں تھے کہ ہم تم کو رب العالمین کے مساوی و برابر جانتے تھے اور کفر و شرک سے عام ہے ہر شرک، چونکہ اس سے انکارِ الوہیت لازم آجاتا ہے کفر ہے اور ہر کفر جس میں مساوات کا دخل نہ ہو، شرک نہیں۔ اب صاحب عقلِ سلیم شرک کے معنی کو صحیح طور پر ذہن نشین کر لینے کے بعد اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ متبعین خوارج کا یہ اعتراض کہ مشرکین اپنے بتوں کو خدا تعالیٰ کے ہاں سفارشی اور خدا رسی کا وسیلہ مانتے تھے۔ اور مسلمان انبیاء اور اولیاء کو شفیع اور وسیلہ مانتے ہیں تو ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ کفار اس عقیدہ کی وجہ سے مشرک اور مسلمان اس عقیدہ سے مومن۔ یہ فرق کیوں ہے۔ جیسے کفار کے اصنام غیر اللہ ہیں۔ اسی طرح یہ غیر اللہ ہیں، مردود اور ناقابل سماعت ہے۔ کیونکہ فرق دو وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ کفار خدا کے دشمنوں کو سفارشی اور وسیلہ مانتے تھے جو کہ اس کے اہل نہیں جیسا کہ قرآن کریم نے اس کے متعلق تصریح فرمائی ہے اور مسلمان اللہ تعالیٰ کے محبوبوں، مقربوں کو شفیع اور وسیلہ جانتے ہیں دیکھو گنگا کی تعظیم کفر، آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ حالانکہ دونوں پانی ہیں۔ بت کی تعظیم کفر، کعبۃ اللہ، مقام ابراہیم، حجر اسود کی تعظیم ایمان۔ حالانکہ پتھر ہونے میں برابر ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار اپنے معبودوں کو دھونس کا شفیع مانتے تھے یعنی خدا تعالیٰ کا مقابل سمجھتے تھے کہ وہ اپنی دھونس اور غلبہ سے خدا سے کام کرا سکتے ہیں اور مسلمان انبیاء اور اولیاء

کو اللہ کا بندہ، اللہ کا محتاج، اللہ کے اذن واجازت سے سفارش کرنے والا ماننے میں تو معیار ایمان
وکفر اذن اور مقابلہ ہے اور متبعین خوارج کا یہ اعتراض کہ کفار بتوں کو خالق، رازق، مالک بھی نہیں
نہیں مانتے تھے۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے مانتے تھے، بتوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بندہ مانتے
تھے۔ مگر ان کے لئے فریاد رس ہونا، مشکل کشا ہونا، شفیع ہونا، حاجت روا ہونا، دور سے پکار سننے والا عالم
الغیب ہونا، اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ ہونا۔ یہ صفات ان کے لئے ثابت کرتے تھے۔ لہٰذا قرآنی فتویٰ
سے وہ مشرک ہوئے تو جو مسلمان کہ انبیاء اور اولیاء کے لئے یہی صفات مانے گو ان کو خدا کا بندہ بھی کیوں
نہ مانے، قرآنی فتویٰ سے مشرک ہے کیونکہ ان صفات کا کسی غیر اللہ میں ماننا اس کو خدا کے برابر اور
مساوی ماننا ہے اور یہ شرک ہے۔ مطلب یہ کہ مافوق الاسباب امور میں کسی کو متصرف ماننا خدا ماننے
کے مرادف ہے اور یہ شرک ہے۔ کس قدر لغو اور پوچ ہے اور قرآن پر افتراء ہے۔ دیکھو قرآن کریم
سے عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے مُردوں کا زندہ کرنا، مادرزاد اندھوں کا بینا کرنا، کوڑھیوں کو
شفا دینا باذن اللہ ثابت ہے۔ یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قمیص سے اپنے والد کی نابینا
آنکھ کا باذن اللہ بینا کر دینا، سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز
سن لینا، آصف بن برخیا کا مسافت بعیدہ سے تخت بلقیس کو آنکھ جھپکنے کی دیر میں حاضر کر دینا۔ ملائکہ
کرام کا باذن اللہ عالم میں تصرف کرنا ثابت ہے اور یہ سب مافوق الاسباب امور میں تصرف ہے خلاصہ
یہ ہے کہ تصرف مافوق الاسباب اگر کسی شخص کے لئے بالاستقلال خدا کے مقابلہ میں مانا تو شرک ہے
اور اگر باذن اللہ وعطائے الٰہی مانا جائے تو عین ایمان۔ فرق وہی اذن اور مقابلہ کا ہے یہ ایک سخت
مغالطہ ہے جو کہ متبعین خوارج نے عوام مسلمانوں کو اس سے گمراہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے شر سے
ہر مسلمان کو بچاوے۔ آمین تیسرا لفظ ولی۔ ولی کا معنی باعتبار لغت کے قریب، والی، حمایتی
ہے اور اصطلاح قرآنی میں آٹھ معنی میں استعمال ہوا ہے اول بمعنی دوست اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا دوم مددگار فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ سوم بمعنی
والی وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا۔ چہارم و پنجم بمعنی

قریب یا مالک۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ ششم بمعنی وارث اُولٰئِکَ بَعْضُہُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ہفتم بمعنی ہادی اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہشتم بمعنی معبود وَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖۤ اَوْلِیَآءَ۔ یہ تھا لفظ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مفسرین کرام نے لفظ دون کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ دون تجاوز کے معنی میں مستعمل ہے یعنی ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کی طرف جانے میں لفظ دون استعمال ہوتا ہے جیسا کہ آیت شریفہ فَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی تفسیر صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بلاؤ معارضہ کی طرف ان کو جو تمہارے مددگار ہیں اور حاضر ہیں اللہ کو چھوڑ کر مطلب یہ ہے کہ دون کا ترجمہ جو غیر اللہ کیا جاتا ہے اس سے مراد مطلق غیر نہیں ہوتا بلکہ اس میں معنے چھوڑ دینے کا اور مقابلہ کا ملحوظ ہوتا ہے کیونکہ اگر من دون اللہ کا ترجمہ مطلق غیر اللہ کیا جاوے اور معنیٰ مقابلہ و چھوڑ دینے کا لحاظ نہ رکھا جاوے تو آیات قرآنیہ میں تعارض ہو جاویگا اور بعض جگہ بالکل معنیٰ درست نہ ہوگا جیسا کہ آیت کریمہ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ یعنی نہیں ہے تمہارے لئے بغیر اللہ کے کوئی ولی اور نہ کوئی نصیر اور آیت کریمہ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کمزور مسلمان جو کفار کے نرغہ میں پھنسے ہوئے ہیں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے واسطے اپنے نزدیک سے کوئی والی اور نصیر بنا۔ اگر پہلی آیت میں یہی معنیٰ کیا جاوے کہ اللہ کے سوا کوئی والی اور کوئی نصیر نہیں تو اس آیت شریفہ میں اس دعا کے الفاظ غلط ہو جاتے ہیں۔ اور تناقض پیدا ہو جاتا ہے۔ تناقض اسی طرح رفع ہوتا ہے کہ پہلی آیت کا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ کے مقابل اللہ کو چھوڑ کر کوئی والی کوئی نصیر نہیں ہے اور دوسری آیت میں وہ ولی اور نصیر مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے کمزور مسلمانوں کی امداد کے لئے مقرر فرماوے۔ حالانکہ وہ بھی غیر اللہ ہیں۔ اب تعارض رفع ہو گیا اور آیت کریمہ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ میں اگر یہ معنیٰ کیا جاوے کہ کیا بنا لئے انھوں نے اللہ کے بغیر شفیع تو معنی بالکل غلط ہو جاتا ہے کیونکہ شفیع مشفوع الیہ کا غیر ہوتا ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی ہو گا ضرور غیر اللہ کا ہو گا اللہ تعالیٰ خود اپنے آپ

کو سفارش نہیں کرتا اور جب یہ معنی کیا جاوے کہ کفار نے اللہ کے مقابل جو کہ اللہ تعالیٰ سے غلبہ اور زور سے بات منوانے والے ہیں، ان کے زعم میں ان کو شفیع بنا لیا تو معنی آیت کریمہ بالکل صحیح ہو جاتا ہے۔ اس تحقیق سے ولی اللہ اور ولی من دون اللہ میں فرق بیّن معلوم ہو جاتا ہے۔ ولی اللہ، اللہ کا دوست اللہ کا مقرب بندہ، جیسا کہ فرماتا ہے اَلَآ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ اور ولی من دون اللہ کی دو صورتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ خدا کے دشمنوں کو دوست بنایا جاوے جیسے کہ کفار بتوں کو شیطان کو دوست بناتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ کسی اللہ کے دوست کو اللہ کے مقابل مددگار سمجھا جاوے کہ اللہ کے مقابلہ میں یہ ہماری امداد کریں گے اور اللہ کے عذاب سے چھڑا دیں گے۔ ولی اللہ کو ماننا عین ایمان اور ولی من دون اللہ کو ماننا کفر و شرک ہے۔ یہ کتنا ظلم ہے کہ من دون اللہ کا مصداق انبیاء و اولیاء کو بنایا جاتا ہے اور کتنا سخت مغالطہ عوام کو دیا جاتا ہے۔ پانچواں لفظ دعاء۔ دعاء کا لغوی معنی پکارنا ہے اور اصطلاح قرآنی میں پانچ معنی میں استعمال ہوا ہے (۱) پکارنا (۲) بلانا (۳) مانگنا (۴) پوجنا (۵) آرزو کرنا لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا (ترجمہ) نہ کرو تم پکارنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہ یا فلاں! اس کا نام لے کر بلکہ حضرت کو اگر پکارنا ہو تو ادب سے پکارو کہو یا رسول اللہ! یا نبی اللہ! حضرت کا نام پاک پکارنے کے وقت ذکر نہ کرو۔ یہاں دعاء کا معنی پکارنا ہوا وَادۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بلاؤ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مخلوق خدا کو اپنے ربّ کے راستہ کی طرف۔ یہاں معنی بلانا ہوا فَاِذَا رَكِبُوۡا فِى الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ پس جس وقت کفار کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں اور خوف پیدا ہوتا ہے اللہ سے دعا کرتے ہیں اور نجات مانگتے ہیں۔ یہاں معنی مانگنا ہوا اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ بے شک وہ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو تم جیسے بندے ہیں اللہ تعالیٰ کے۔ یہاں معنی پوجنا ہوا وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ؕ تمہارے لئے بہشت میں وہ اشیاء ہوں گی جو تمہارے نفس خواہش کریں گے اور تمہارے لئے بہشت میں ہو گی وہ چیز جس کی تمنا کرو گے۔ یہاں معنی تمنا کرنا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ جن آیات میں غیر خدا کی دعا کو شرک و کفر کہا گیا ہے اور اس پر جھڑ کا

گیا ہے وہاں دعا کا معنی عبادت کرنا پوجنا ہے۔ ہر جگہ دعا کا معنی پوجنا نہیں ہے متبعین خوارج یہ کہتے ہیں کہ دعا کا معنی قرآن کریم میں ہر جگہ پکارنا ہے اور غیر اللہ کا پکارنا شرک ہے اور چونکہ اس سے لازم آجاتا ہے کہ کسی شخص کا کسی حاجت کے لئے یا بغیر حاجت کے کسی غیر اللہ کو پکارنا شرک ہو اور ناجائز ہو۔ حالانکہ یہ خلافِ عقل و نقل ہے خصوصاً آیتِ کریمہ کَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا اس کے جواز کی بیّن دلیل ہے۔ اس لئے ان حضرات کو ان آیات میں کئی من گھڑت قیود لگانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کبھی کہتے ہیں کہ غائب کو پکارنا کبھی کہتے ہیں کہ مردہ کو پکارنا کبھی کہتے ہیں دور سے سننے کے لئے پکارنا کبھی کہتے ہیں کہ مافوق الاسباب سنانے کے لئے دور سے پکارنا اور کہتے ہیں کہ کسی غیر اللہ کو پکارنا اس کو ربّ و معبود بنانا ہے۔ اتنا خیال نہیں کرتے کہ جب پکارنا عبادت کرنا ہوا تو پھر ان قیود کی کیا ضرورت ہے، عبادت غیر اللہ کی ہر حال میں شرک ہے اور یہ نہیں جانتے کہ قرآن کریم کے لفظِ مطلق کو خبرِ واحد سے بھی مقید کرنا جائز نہیں ہوتا چہ جائیکہ من گھڑت قیود سے اپنے زعمِ فاسد کے درست کرنے کے لئے مقید کرنا۔ چھٹا لفظ عبادت ہے۔ عبادت کا معنی انتہائی عاجزی عابد کی اور انتہائی تعظیم معبود کی اور اس کی صرف ایک صورت ہے کہ کسی کو اپنا الٰہ ربّ سمجھ کر اتنی تعظیم کی جاوے کہ اس سے زیادہ تعظیم متصوّر نہ ہو سکے۔ اسی کا نام عبادت ہے اور اگر بغیر اس عقیدہ کے یعنی اس کو الٰہ ربّ نہ اعتقاد کرتے اس کی تعظیم کرے جیسے ماں باپ، استاذ یا پیر۔ اس کو اطاعت اور تعظیم کہتے ہیں۔ عبادت نہیں کہتے اور یہ تعظیم شرعاً جائز ہے ممنوع نہیں بلکہ حسبِ موقع واجب اور مستحب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ...... الآیۃ یعنی جو لوگ ایمان لائے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تعظیم کی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ لوگ فلاح پانے والے ہیں اور فرماتا ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ یعنی جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی پس یہ تعظیم ان لوگوں کے اعمال سے ہے جن کے دلوں میں تقویٰ ہے۔ صاحبِ تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کو دینی عظمت حاصل ہو، وہ شعائر اللہ ہیں۔ ان کی تعظیم کرنا ضروری ہے جیسے بعض مہینے، بعض دن، بعض

مقامات بعض اوقات ایسی لئے صفا مروہ۔ کعبہ معظمہ۔ رمضان شریف شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ یہ فرق ہے عبادت اور تعظیم میں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدار قصد اور نیت پر ہے۔ اگر کسی کو معبود و رب سمجھ کر تعظیم کرتا ہے تو اس کو عبادت کہتے ہیں اور اگر کسی کو دینی عظمت والا سمجھ کر تعظیم کرتا ہے تو اس کو عبادت نہیں کہتے "تعظیم و اطاعت" کہتے ہیں اگرچہ کیفیت فعل یکساں ہی کیوں نہ ہو۔ صرف قصد اور نیت سے فعل کی صفت اور حکم بدل جاتا ہے دیکھو سجدہ ایک فعل ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ ہفت اندام زمین پر ٹک جاویں بخصوصاً ماتھا کا رکھنا زیادہ ضروری اور لازم ہے اور یہ سجدہ امم سابقہ میں غیر اللہ کو جائز بلکہ واجب و مامور بہ تھا جیسے ملائکہ کا سجدہ آدم علیہ السلام کو۔ یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ یوسف علیہ السلام کو۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ یہ سجدہ عبادت نہیں تھا کیونکہ عبادت غیر اللہ کی شرک ہے اور شرک سب ادیان میں حرام و ممنوع ہے اس لئے تو ثابت ہوا کہ یہ سجدہ تعظیم تھا۔ اس لئے کہ سجدہ کرنے والوں کی یہ نیت نہیں تھی کہ یہ مسجود ' ہمارا رب ہے بلکہ یہ تھی کہ اس کو دینی عظمت حاصل ہے اگر کسی ساجد کی یہ نیت ہو کہ یہ میرا رب ہے تو سجدہ عبادت کا ہو جاتا ہے۔ صرف نیت سے سجدہ کی صفت بدل جاتی ہے اور حکم بھی بدل جاتا ہے کہ سجدہ عبادت ہر وقت ہر مذہب میں ناجائز، حرام، شرک ہے اور سجدہ تعظیم ادیان سابقہ میں جائز تھا۔ شرع محمدی علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام میں ممنوع ہے لیکن اس امت محمدیہ میں اگر کوئی شخص کسی قابل تعظیم ہستی کو سجدہ تعظیم کرے، تو گنہگار ہوگا۔ کافر مشرک نہ ہوگا۔ اب متبعین خوارج کی کمال جسارت و شوخ چشمی ملاحظہ ہو کہ کسی ولی اللہ کے ہاتھ پاؤں اور کسی بزرگ کی قبر کو بوسہ دینے والے پر شرک کا فتویٰ جاری کر دیتے ہیں۔ حالانکہ بوسہ اور سجدہ کی کیفیت میں فرق ظاہر ہے۔ علاوہ اس کے سلف صالح نے بوسہ قبر کے جواز پر تصریح کی ہے۔ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح بخاری میں باب مَا ذُکِرَ فِی الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ میں وہ حدیث جو امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حج پر تشریف لانے اور حجر اسود کے بوسہ کے متعلق ہے اس کی شرح کر کے آگے فرماتے ہیں کہ کہا ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہ متبرک مقامات کا بوسہ دینا تبرک کے ارادہ پر بہت اچھا فعل ہے باعتبار ارادہ اور قصد کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عرض کیا کہ وہ اپنی ناف جس پر حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا ظاہر فرماویں۔ امام حسن رضؓ نے اپنا کپڑا اٹھایا۔ ابوہریرہؓ نے وہاں بوسہ دیا اور ثابت بنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ مبارک کو بغیر بوسہ دینے کے نہیں چھوڑتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے مس ہوا ہے اور شیخ زین الدین نے کہا کہ مجھے حافظ ابوسعید ابن العلائی رحؒ نے خبر دی ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کلام میں دیکھا ہے کہ ان سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور منبر شریف کے بوسہ کے متعلق پوچھا گیا۔ امام نے فرمایا کہ جائز ہے۔ علامہ محب طبری فرماتے ہیں کہ حجر اسود کے بوسہ کے جواز اور ارکان کعبہ کے بوسہ کے جواز سے یہ مسئلہ نکالا جا سکتا ہے کہ جس چیز کے بوسہ میں مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو۔ اس کا بوسہ دینا جائز ہے کیونکہ اگرچہ اس کے کرنے پر کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی لیکن اس کے منع پر اور کراہت پر بھی کوئی حدیث وارد نہیں ہے اور امام ابو عبداللہ محمد ابن صیف فرماتے ہیں کہ بعض علماء کو میں نے دیکھا کہ جب قرآن شریف کو دیکھتے تھے بوسہ دیتے تھے، حدیث شریف کی کتاب کو دیکھتے تھے بوسہ دیتے تھے۔ نیک بندگانِ خدا کی قبور کو دیکھتے تھے بوسہ دیتے تھے۔ اس بوسہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ یہ سب عینی کی عبارت ہے۔ یہ ہیں اقوال سلف صالح کے۔ تو ان متبعین خوارج کے عقیدے کے مطابق یہ سب سلفِ صالح کرنے والے اور جائز سمجھنے والے مشرک ہوئے۔ نعوذ باللہ من ہٰذہ الھفوات۔ اب ان دشمنان اولیاء اللہ کا ایک مسئلہ ضروری ذکر کرنا ہے چونکہ ان کا اصلی مقصد مخلوقات کو صراط مستقیم اولیاء اللہ کے راستہ سے ہٹانا ہے اس لئے یہ تقریر کرتے ہیں کہ مان لیا کہ اولیاء اللہ نیک بندے اللہ کے مقرب بندے سب کچھ تھے لیکن ان کے مزارات پر جانے سے جانے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ان کے اعمالِ صالحہ کا فائدہ انہیں کو ہے۔ دوسرے کو اس سے کیا فائدہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی یعنی نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو اس نے خود کمایا۔ اب اس بزرگ کی کمائی سے زائر کو کیا حصہ مل سکتا ہے یا اس زائر کے ایصالِ ثواب سے صاحبِ مزار کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا مزارات اولیاء اللہ پر جانا بے سود ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ

اموات کے لئے جس طرح ایصال ثواب کیا جاوے ان کو اس سے نفع ہوتا ہے اور فرقہ معتزلہ جن کو بارگاہ رسالت سے "مجوس ہٰذہ الامۃ" کا خطاب ملا ہوا ہے اس کے منکر ہیں اور وہ اس آیۃ کریمہ کو اپنے دلائل میں ذکر کر کے نفی ایصال ثواب پر سند لاتے ہیں لیکن یہ آیت کریمہ ان کے مدعائے باطل کی ہرگز دلیل نہیں ہو سکتی اور نہ اس آیت کریمہ کا یہ مفاد ہے کہ انسان کو آباؤ اجداد کی صلاح سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ یا اموات کو زندوں کے ایصال ثواب سے کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اگر آیت کریمہ کا یہ مفاد ہو تو آیات قرآنیہ میں تعارض پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ۔ یعنی وہ لوگ جو ایمان کامل لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی متابعت کی راہ اختیار کی ہم ان کی اولاد کو ان سے ملا دیں گے یعنی آبار و اجداد کے درجات سے ان کی اولاد کو بھی فائز کر دیں گے اور ان مومنین کاملین کے عمل سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے یعنی یہ صورت نہیں کہ ان کے آبار کے ثواب سے کوئی چیز کم کر کے ان کی اولاد کو عطا کر دیں گے بلکہ ان کو پورا ثواب ملے گا اور اتنا ہی ثواب ان کی اولاد کو عطا کیا جاوے گا۔ ہر مرد اپنے کسب کے ساتھ ثابت ہے یعنی مرد کا عمل اس سے جدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی بلکہ محض تفضلاً وہی ثواب اور درجات ان کی اولاد مومنین کو عطا کر دیئے جاتے ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ دوسری آیت وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (ترجمہ) بہر حال دیوار دو یتیم بچوں کی تھی اس شہر میں اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک بندہ تھا یعنی وہ دیوار جس کو خضر علیہ السلام نے گرنے سے بچایا اور اس کو درست کر دیا تھا، اس کی حکمت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ بیان کی کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ رکھا ہوا تھا اور ان کا باپ مرد صالح تھا تو اللہ تعالیٰ کی مراد یہ تھی کہ دیوار گرنے سے محفوظ رہے تاکہ ان یتیموں کا خزانہ ضائع نہ ہو جاوے" تو ان آیات شریفہ

کا صراحۃً مفاد یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں آبا کی صلاح سے اولاد منتفع ہوتی ہے پہلی آیت شریفہ میں نفع آخرت ہے اور دوسری میں نفع دنیا ہے اور آیت کریمہ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (ترجمہ) اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے اللہ جل شانہٗ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، اس آیت کریمہ کا مفاد یہ ہے کہ ملائکہ کی استغفار سے اہل زمین کو نفع پہنچتا ہے اور یہ نفع بغیر ان کی کمائی اور عمل کے ہے اور فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (ترجمہ) وہ لوگ جو مہاجرین و انصار کے بعد آئے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں تو اگر ان کی دعائے مغفرت سے ان کو نفع نہ پہنچتا تو مقام مدح میں اللہ تعالیٰ ان کا یہ قول ذکر نہ فرماتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات قرآنیہ کا صراحۃً مفاد یہ ہے کہ انسان کو دوسرے کے عمل سے نفع پہنچتا ہے اب اس آیت کریمہ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کا مفاد جس طرح کہ مفسرین محققین نے اس کو بیان کیا ہے یہ ہے کہ چونکہ صلاح آباء سے اولاد کو نفع یا طلب مغفرت سے بعد اموات کو نفع مشروط بالایمان ہے یعنی مومن کو صلاح آباء سے بھی نفع پہنچتا ہے اور ایصال ثواب طلب مغفرت سے بھی نفع پہنچتا ہے کافر کو ان چیزوں سے کوئی نفع نہیں ہے۔ تو مدار اس نفع کا ایمان ہے جو کہ اس کا اپنا عمل ہے۔ اس لئے رب تعالےٰ فرماتا ہے کہ انسان کو بغیر اپنے کسب و سعی کے کوئی چیز نفع دیتی، تو وہ مسلمان جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح ایمان لایا۔ یہ ایمان اس کا عمل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اور غیر کے اعمال سے نفع اٹھا سکتا ہے اور کافر جو کہ اس عمل سے محروم ہے۔ اس کو نہ اپنے اعمال سے کوئی فائدہ نہ غیر کے اعمال سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس نے جب ایمان کو جو سب اعمال کا اصل ہے ترک کر دیا تو اس نے کچھ بھی نہ کمایا۔ اس کی سب سعی ضائع و باطل ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کفار کے حق میں فرماتا ہے وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝ یعنی قیامت کے دن ہم ان کفار کے اعمال خیر کی طرف ارادہ کریں گے۔ ان کو

ایسا کر دیں گے جیسے وہ غبار جو کہ مکان کے اندر شعاع دھوپ سے نظر آتی ہے۔ درحقیقت کوئی چیز نہیں ہوتی۔

علاوہ اس کے اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا یا ان کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضر ہونے کا یہ ظاہر فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے یعنی یہ وہ قوم ہے کہ ان کا ہم نشین ہم صحبت بدبخت نہیں ہو سکتا یعنی اللہ تعالیٰ جب نظر رحمت اس قوم پر بہ سبب ان کے اعمال صالحہ کے فرماتا ہے تو جو شخص ان کی صحبت میں ہوتا ہے وہ بھی اس رحمت سے فیضیاب ہو جاتا ہے۔

اب ان چند مسائل کے ذکر کرنے کے بعد اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِلْحَقِّ وَهُوَ يَهْدِيْ اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکرِ اوّل

حضرت قدوۃ العارفین فخر العاشقین فرد المحبوبین شیخ المشائخ خواجہ زین الحق والدّین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وطن اصلی آبائی اور نسب شریف کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ حضرت خواجہ کا وطن آبائی شہر اٹلہ واقع سون ہے۔ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت خواجہ نے پہلے موضع کفری واقع سون میں مولوی غلام نبی صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ پھر وہاں سے موضع لیٹی میں محمد روشن صاحب کے پاس تشریف لائے۔ پھر وہاں سے مکھڈ حضرت مولانا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تذکرۃ المحبوب سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ تعلیم کے ابتدائی دور میں مکھڈ تشریف لائے جیسا کہ حضرت خواجہ کے کتاب زلیخا حضرت مولٰناؓ کی خدمت میں پڑھنے کے متعلق تذکرۃ الولی میں ذکر کیا گیا۔ حضرت خواجہ زین الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ الملقب بہ زینت الاولیاء کا نسب قوم ...... اعوان قطب شاہی ہے جو کہ صحیح معنوں میں قریشی ہاشمی ہیں۔ کیونکہ سلسلہ قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا عباس بن حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ دیکھو صاحب

البدایہ والنہایۃ ج سابع ص ۳۳۲ وانما کان النسل من خمسۃ وھم الحسن والحسین ومحمد بن الحنفیۃ والعباس بن الکلابیۃ وعمر بن التغلبیۃ رضی اللہ عنہم۔ پس اعوان قریشی ہاشمی ہوئے

میں کوئی شک نہیں ہے سلسلہ یہ ہے :-

حضرت خواجہ[1] زین الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن حافظ امیر[2] گل صاحب (ان کا مزار پر انوار موضع ڈھوک غزنے والی میں واقع ہے) ابن میاں[3] مبارک خاں ابن میاں عادل[4] خاں ابن میاں[5] فتح محمد خاں ابن محبت[6] خاں ابن سید[7] احمد ابن[8] ہمتا خاں ابن ہمت[9] خان ابن کمال[10] الدین ابن قہر[11] علی ابن انور[12] علی ابن کرم[13] علی ابن بہاؤ[14] الدین ابن[15] چراغ الدین ابن اویس[16] محمد بن ہیبت[17] علی ابن امیر[18] علی ابن انور[19] علی اسی شخص نے شہر اٹگہ آباد کیا ابن بدیس یا محمد باد[20] دست ابن بہادر[21] علی ابن سید[22] محمد حسن دوست ابن محمود[23] احمد علی بدر دین ابن عبد[24] اللہ ابن قطب[25] شاہ علوی - اس سے آگے نسب نامہ میں اختلاف ہے لہٰذا اسی پر اکتفا کیا گیا - لیکن صحیح اور مشہور یہی ہے کہ محمد ابن علی رضی تک پہنچتا ہے ۔

ذکرِ ثانی

عباس

حضرتِ خواجہ رح کے تحصیلِ علم و تربیت حضرتِ مولانا رض و کمالِ علم ظاہری کے بیان میں

حضرت مولانا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمالِ شفقت سے اپنی اولاد کی طرح حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت فرمائی تا کہ سب علوم ظاہریہ کو حضرت خواجہ نے درجہ تکمیل تک پہنچایا - اسی اثنا میں حضرت خواجہ نے حضرت مولانا رض کی بیعت سے مشرف ہو کر فیض باطنی بھی حاصل کیا اور حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی وظائف و فیض باطنی سے مستفید ہوتے رہے حتیٰ کہ علم ظاہری و باطنی میں وہ کمال حاصل کیا کہ فائق اقران و بے نظیر زمان ہوئے ۔ بعد فراغت علوم ظاہریہ حضرت مولانا رض نے حضرت خواجہ کی شادی شہر اٹگہ میں ملک شاہ نواز کی ہمشیرہ صاحبہ کے ساتھ جس کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ کے ساتھ جد امجد فتح خان میں جا ملتا ہے، کرادی - اور اپنے پاس اولاد کی طرح رکھا اور حضرت مولانا رض کے حکم سے حضرت کے زمانہ میں حضرتِ خواجہ نے سلسلہ تدریس جاری کیا حضرت خواجہ کے شاگردوں سے حضرت استاذ مولوی خورشید صاحب اور استاذ حافظ عبد القدوس صاحب جو کہ دراصل چھچھ ہزارہ کے باشندے تھے - ان دونوں صاحبان کا کمال علم جو کہ اظہر من الشمس ہے حضرت خواجہ کے کمالیت علم کی بین دلیل ہے - راقم تم

نے میاں عبد المجید مرحوم سے سنا کہ ایک دفعہ عرس شریف کی حاضری کے موقع پر موضع احمد پور کی مسجد میں استاذ مولوی خورشید صاحب لنگڑیالی اور دیگر علمائے علاقہ دوپہر گزارنے کے لئے جمع تھے۔ اس جگہ مولوی عبد اللہ صاحب گلیانی نے استاذ صاحب کی خدمت میں میر ہاشم شرح میبذی کا کوئی مشکل مقام حل کرانے کے لئے پیش کیا۔ استاذ صاحب نے اس مقام کی ایسی فصیح اور مدلل تقریر فرمائی کہ مولوی عبد اللہ صاحب نے حیران ہو کر سوال کیا کہ یہ تقریر آپ نے کہاں سے اخذ کی ہے؟ اور تو کسی جگہ اس تقریر کا نام و نشان نہیں ملتا۔ استاذ صاحب نے فرمایا کہ میں نے جس وقت میبذی حضرت خواجہ زین الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سبقاً پڑھی تھی تو اس وقت حضرت خواجہ نے اس مقام پر یہی تقریر فرمائی تھی مجھے بعینہٖ وہی تقریر یاد ہے۔ مولوی عبد اللہ صاحب نے دوبارہ تحیّر سے سوال کیا کہ حضرت خواجہ کو ان علوم میں استاذ فن تھا۔ استاذ صاحب فرمانے لگے کہ حق تو یہ ہے کہ علم حضرت مولٰنا کے خلیفتین (یعنی خلیفہ محمد عابد جی صاحب و حضرت خواجہ زین الحق والدین صاحب) میں بند تھا یعنی جو علم اللہ تعالیٰ نے بواسطہ حضرت مولٰنا رحمہ ان کو عطا کیا تھا وہ خاص انہیں کا حصہ تھا کسی اور شخص کو یہ علم حاصل نہیں تھا انتہٰی۔ راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد حضرت والد بزرگوار کی زبان مبارک سے سنا کہ استاذ حافظ عبد القدوس صاحب زمانہ طالبعلمی میں جب کھڈ تشریف لائے تو مولوی سراج الدین صاحب انجرا والے کے والد صاحب ایک حجرہ میں کسی طالب علم کو سبق کافیہ کا پڑھا رہے تھے۔ پہلے استاذ صاحب ان کے پاس جا بیٹھے۔ اثنائے سبق میں کوئی اعتراض کیا۔ چونکہ مولوی صاحب نہایت سادہ اور صاف دل انسان تھے فرمانے لگے میاں! میں تو سادہ ترجمہ پڑھانا جانتا ہوں۔ مجھ کو یہ باتیں نہیں آتیں مجھے معاف کر۔ حافظ صاحب وہاں سے اٹھ کر آستانہ میں وہاں کسی جگہ حضرت خواجہ تشریف فرما تھے اور لیٹے ہوئے کسی طالب علم کو کافیہ کا درس فرما رہے تھے۔ حافظ صاحب نے یہاں بیٹھ کر اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت خواجہ اسی حالت میں لیٹے ہوئے حافظ صاحب کے اعتراضات کا جواب فرماتے رہے لیکن حافظ صاحب نے کوئی اعتراضات کا تھیلہ بھرا ہوا تھا ختم ہونے میں نہ آتے۔ سات آٹھ اعتراضات کا جواب فرمانے کے بعد حضرت خواجہ اٹھ بیٹھے اور حافظ صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اچھا صاحب! اب اعتراض کرو۔ حافظ صاحب

نے جب اعتراض کیا حضرت نے اس کا جواب دے کر اسی اعتراض کو توڑ پھوڑ کر حافظ صاحب پر اعتراض وارد کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ صاحب کی شیخی ختم ہو گئی اور لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ کے حلقۂ تدریس میں داخل ہو کر شرف شاگردی سے مفتخر ہوئے اور عالم بے مثل ہوئے اور اکثر حصہ عمر کا مکھڈ میں گزار کر اسی جگہ داعی اجل کو لبیک کہی۔ ان کا مزار قریب مسجد متصل منارہ جنوبی ہے۔ بہت بے نظیر و بے ریا عالم تھے رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔ حضرت خواجہ نے تدریس کا سلسلہ حسب طاقت عمر شریف کے آخری حصہ تک جاری رکھا۔ راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد حضرت والد بزرگوار کی زبان مبارک سے سنا کہ خلیفہ محمد عابد جی صاحب کی وفات کے بعد جب حضرت اعلیٰ شاہ محمد سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خواجہ کو مکھڈ سے طلب کر کے حضرت مولانا کی مسند نشینی کے عہدہ پر فائز فرمایا۔ اس وقت حضرت خواجہ نے عرض کی کہ لنگر چلانا مشکل کام ہے۔ مجھ سے یہ کام سرانجام نہ ہو سکے گا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ تم وہاں بیٹھ کر تدریس کرو۔ لنگر جانے اور میں جانوں۔ اس کا تم فکر نہ کرو۔ تو حضرت خواجہ نے اس حکم کی کماحقہ تعمیل کی اور حسب طاقت آخر دم تک تدریس کا شغل جاری رکھا۔

ذکر تیسرا

حضرت خواجہ کے حُلیہ مُبارک کے بیان میں

صاحب تذکرۃ المحبوب نے اپنے تذکرہ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت کا قد مبارک درازی و کوتاہی، جسامت و نحافت کے لحاظ سے درمیانہ تھا اور نہایت مطبوع و مُزیّن۔ مولوی غلام حسین صاحب اس قد مبارک کے وصف میں اس طرح رطب اللسان ہیں ؎

نہال باغ جاں خوانم قد والائے موزونش ۔۔۔ عجب زیبا است و بس رعنا نہال شیخ زین الدین

سب اعضائے مبارکہ نہایت متناسب اچھے اور دلپذیر تھے۔ سر مبارک بڑا لیکن نہایت اعتدال پر اور باقی اعضائے مبارکہ کے مناسب۔ بال مبارک سفید۔ گردن مبارک سادہ اور بالوں سے صاف اور اس پر کسی قدیمی زخم کا اثر ظاہر جس کی لمبائی دو انگل کی مقدار تھی۔ پیشانی مبارک فراخ و بے چین مثل

بدرِ منور پرتو افگن اور علامت سجود اس پر ظاہر۔ ابرو مبارک سفید اور آپس میں بالکل ملے ہوئے نہ تھے آنکھیں
مبارک فراخی و تنگی کے لحاظ سے درمیانہ سیاہی و سفیدی خوب ظاہر۔ اکثر اوقات مثلِ گلِ نرگس نیم خواب عاشق
کشی پر دلیر بعض اوقات مثلِ گلِ انار شگفتہ و مائل بہ سرخی، نظر مبارک چند آخری سالوں میں موتیا بند سے بند
ہوئی۔ پھر اپریشن سے صحیح و قائم ہوگئی اور آخر تک قائم رہی۔ بینی مبارک مثلِ الف دونوں رخساروں
کے درمیان کھنچی ہوئی نہایت مطبوع و خوش نما۔ ہر دو رخسارہ مبارک مثلِ بدر نورانی و پرتو افگن و بے چین
و کشادہ و پر گوشت۔ چہرہ مبارک کا رنگ ایک طرز پر نہیں ہوتا تھا۔ اکثر اوقات سبز مائل بہ سرخی مظہرِ انوارِ
الٰہی بعض وقت مائل بہ زردی و سفیدی دیکھا گیا۔ چنانچہ صاحبِ تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بہ تقریبِ
عرسِ شریف رمضان المبارک بمعہ چند رفقاء حاضری نصیب ہوئی۔ بعد نمازِ ظہر یاران دری شریف میں
قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔ اس وقت حضرت کے چہرہ مبارک کا رنگ مائل بہ زردی و سفیدی مشاہدہ
میں آیا۔ اس سے پہلے یہ بات شنیدہ میں آئی تھی کہ حضرت کو چند دن بخار کی وجہ سے تکلیف رہی ہے اور
ابھی تک حضرت نماز تیمم سے ادا فرماتے ہیں۔ لہٰذا دل میں یہ خیال گذرا کہ شاید بخار کی وجہ سے حضرت کے
چہرہ مبارک کا رنگ اس طرح ہے۔ اتفاقاً میرے ایک رفیق نے مجلسِ عالیہ سے باہر آنے کا اشارہ کیا
اور کوئی چیز دم کرانے کے متعلق مجھے کہا۔ میں جب وہ چیز دم کرانے کے لئے حاضر ہوا تو اس وقت
جب میں نے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو سبحان اللہ! سبز مائل بہ سرخی اور پرتو افگن۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
حضرت کے چہرہ مبارک سے قطرات ٹپک رہے ہیں جیسا کہ حضرت نے تازہ وضو فرمایا ہو حالانکہ
اتنی فرصت نہیں گذری تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ عساکرِ انوارِ الٰہی ذاتِ اقدس پر جلوہ افگن ہوگئے ہیں۔
حضرت کے دائیں رخسار مبارک پر ایک خال سیاہ عجب لطف نما تھا۔ ریش مبارک درازی اور انبوہی
کے لحاظ سے درمیانہ اور سفید تھی۔ نظرِ غائر سے چند بال سیاہ نظر آتے تھے۔ حضرت نے خضاب کبھی
استعمال نہ فرمایا۔ سینہ مبارک کہ نمونہ لوحِ محفوظ تھا۔ باقی اعضاء سے مناسب اور نہایت موزوں و مخزنِ
اسرارِ الٰہی اور اس پر چند بال سفید تھے۔ شکم مبارک ہموار تھوڑا سا ابھرا ہوا۔ ہر دو بازو مبارک نازک و
صاف ہتھیلی مبارک چند خطوط سے منقش۔ انگلیاں مبارک نہایت نازک و نفیس و کھلی ہوئی۔ ہر دو پنڈلی

مبارک نازک اور بالوں سے صاف۔ پاؤں مبارک جسامت ونحافت میں درمیانہ اونہ انگلیاں کھلی ہوئی اور بعض انگلیوں کے اوپر گٹھیاں تھیں جن کے متعلق حضرت نے ایک دفعہ فرمایا کہ یہ گٹھلیاں تونسہ شریفہ کے راستہ پر چلنے سے ہوگئیں اور دونوں ہتھیلیوں پر ایک لکیر گشیدہ جو کہ داہنی ہتھیلی بہ انگشت نزاور ساتھ والی انگلی کے درمیان پہنچی ہوئی تھی اور بائیں ہتھیلی پر پوری پہنچی ہوئی نہ تھی۔ صاحب تذکرہ نے حضرت خواجہ زینت الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلیہ مبارکہ کو نہایت ذوق وشوق سے بیان کیا ہے جس کا لطف تذکرۃ المحبوب کی اصلی عبارت سے اہل دل اٹھا سکتے ہیں اور ہر مقام پر متعدد اشعار ذکر کئے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کردینا اہل دل کے لئے ذوق وشوق کا فائدہ بخشے گا۔ ابیات

در لباس دوئی نمے آئی — زانکہ مشہور تر بہ یکتائی

از جمالت کہ بے مثال آمد — خرم آں دم کہ پردہ بکشائی

اندرون و برون واز پس و پیش — در چپ و راست و زیر و بالائی

دوش گوئندہ ندامے کرد — از دل زار، مثل شیدائی

کہ بجز ذات پیر نیست کسے — زاں کہ در چشم ماست ہرجائی

اے رخت نور دیدۂ عشاق! — اے درت قبلہ گاہ ہر مشتاق!

تو بجز بی بتا! ندار ی جفت — زانکہ ہستی بخوبروئی طاق

دلبراں گرچہ دلبرند و لیک — از ہمہ دلبری علی الاطلاق

زہر نوشند گان جام غمت — مے نخواہند از کسی تریاق

دیگراں می کشند ساغر وصل — ما غریباں مدام دُردِ فراق

مخبرانِ دیارِ عالمِ عشق — ایں خبر می دہند در آفاق

کہ بجز ذاتِ پیر نیست کسے — ارچہ جوئی زچین و حدعراق

یار را شیشہ شراب رسید — راحت اندر دل خراب رسید

رہ بین کہ آں شوخ بے نقاب رسید — ماہر یاں برخ نقاب کشید

دل من رفت سوئے مژگانش — گوئیا سیخ را کباب رسید
چوں نظر کرد گل بہ رخسارش — از حیا بر رخش گلاب رسید
پیرِ ما نورِ حق بلا ریب است — ایں حکایت بہ شیخ و شاب رسید
چوں رہِ عقل را خطا کردم — منِ دیوانہ را خطاب رسید
کہ بجز ذاتِ پیر نیست کسے — زانکہ اورا ز حق شراب رسید
رخ تو غیرت گلستاں ست — زانکہ بر لالہ عنبر افشاں است
صفحہ روئے تو بہ آیتِ خال — عاشقاں را بجائے قرآں است
بلبل شاخسار گلشن قدس — ایں سخن ہر صباح گویاں است
کہ بجز ذاتِ پیر نیست کسے — زانکہ او بحرِ فیض سبحان است

ذکر چوتھا

حضرت خواجہ کے لباس میں

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ حضرت کے سر مبارک پر ٹوپی بخاری مختلف رنگ کی اکثر دیکھی گئی اور کبھی وطنی کپڑے کی مغزی دار بھی استعمال فرماتے تھے اور ایک سال حضرت کے سر مبارک پر ایک کلاہ بخاری سرخ جس پر اسمائے چہار یار کبار مرقوم تھے دیکھی گئی۔ یہ کلاہ اخیر سال میں وقتِ وصال تک حضرت نے استعمال فرمائی۔ صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کے سر مبارک پر دستار کبھی مشاہدہ نہیں کی۔ موسمِ سرما میں بھی سر مبارک پر کلاہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ موسم سرما میں ایک کلاہِ عجیبہ قیمتی پشم دار کہ اس پر سیاہ بنات سلی ہوئی تھی اور اس کے کنارے تاج کی طرح قدرے بلند تھے دیکھی گئی۔ اس کو پہلی کلاہ کے اوپر استعمال فرماتے تھے اور کبھی دوپٹہ کو مثل دستار کے کلاہ کے اوپر باندھتے تھے اور شملہ پشت مبارک کی طرف ہوتا تھا اور کبھی نزلہ کی شکایت کی وجہ سے دوپٹہ کا ایک پیچ ٹھوڑی مبارک کے نیچے سے پھرا لیتے تھے قمیص مبارک بصورت پیراہن وطنی کپڑے کا، کبھی خاصہ

یا لٹھا یا ڈوریا بھی ہوتا تھا۔ بند قمیص جس کو ہندی میں چولا کہتے ہیں حضرت نے کبھی استعمال نہ فرمایا۔ پیراہن مبارک کے اوپر موسم سرما میں روئی دار صدری نیم تنہ استعمال فرماتے تھے۔ ایک دفعہ پوستین نازک کہ اس کے اوپر کپڑا کنویز سوسی سلا ہوا تھا اور اس کے اوپر گوٹا نیز ین لٹکا ہوا تھا دیکھا گیا اور پیراہن روئی دار چھینٹ کا بھی استعمال فرماتے تھے اور صدری کالی بنات کی بھی ملبوس دیکھی گئی اور جبّہ مبارک شتری یا بخاری قسم قسم دبناقی زریں بھی استعمال فرماتے تھے اور سراویل مبارک سوسی سیاہ کی جس کے کنارے ریشمی ہوتے تھے اور سوسی بے کنارہ اور سوسی ملتانی کی بھی استعمال فرماتے تھے۔ سپید سراویل کبھی نہ دیکھی گئی۔ چادر مبارک وطنی کپڑے کی سفید رنگ ہوتی تھی۔ کبھی پشاوری لنگی۔ کبھی وطنی لنگی سفید جس کے کنارے ریشم کے ہوتے تھے استعمال فرماتے تھے استعمال فرماتے تھے تہبند مبارک وطنی کپڑے کا نیل سے رنگا ہوا جس کو نیلا کہتے ہیں۔ استعمال فرماتے تھے اور کبھی سبز لنگی جس میں سرخ لکیریں تھیں اور کبھی سفید و سیاہ سوت سے بنی ہوئی لنگی کنی دار بھی دیکھی گئی۔ سفید تہ بند کبھی مشاہدہ نہ ہوا۔ رومال مبارک اکثر بخاری اور بعض اوقات بازاری کپڑے کا اور کبھی دونوں ایک دوسرے سے باندھے ہوئے دیکھے گئے اور رومال کو حضرت ناک مبارک صاف کرنے میں استعمال فرماتے تھے اور اس کے ساتھ ڈبی نسوار کی بھی باندھی ہوئی ہوتی تھی۔ نعلین مبارک کبھی ملتانی کبھی وطنی سرخ چمڑے کی کہ ان پر طلا کا کام بھی ہوتا تھا۔ کبھی سادہ چمڑے کی بلا طلا۔ کبھی پوری زریں بھی استعمال فرماتے تھے۔

ذکر پانچواں

ضبطِ اوقات شریفہ میں

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ موسم سرما میں رات شہر میں بسر فرماتے تھے۔ اوائل ایام میں نماز عشا مسجد کلاں میں ادا فرما کر دولت سرائے کی طرف تشریف لے جاتے۔ پہلے دوسری حویلی میں تشریف ارزانی فرما کر تدریس علم ظاہری فرماتے۔ بعدہٗ حرم سرائے میں تشریف لے جاتے۔ پھر نماز صبح مسجد کلاں میں با جماعت ادا فرماتے۔ پھر بنگلہ شریفہ میں تشریف لے جا کر چاشت تک وظائف میں مشغول فرماتے۔ اور شائقین کو اپنے جمال بے مثال سے بہرہ اندوز فرماتے اور حاضرین غلاماں کے ساتھ تھوڑی تھوڑی گفتگو

بھی فرماتے رہتے۔ اخیر ایام میں بوجہ زیادتِ ضعفِ جسمانی رات بنگلہ شریفہ یادِ الٰہی میں بسر فرماتے اور نماز عشاء و صبح بھی بنگلہ شریفہ میں فقیر فیض کو امام بنا کر ادا فرماتے۔ چاشت کے بعد غذا تناول فرما کر خانقاہ شریف پر تشریف فرما ہوتے فائدہ بنگلہ شریف اس وقت حضرت مولٰنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بنا پر تھا حضرت خواجہ کی وفات سے ۹ سال بعد جب مسجد از سرِ نو تعمیر ہوئی تو بنگلہ شریفہ کو از سرِ نو کیا گیا اور سابقہ بنا سے کچھ متغیر ہو گیا حضرت خواجہ کے اوائلِ ایام میں خانقاہ شریف پر آمد و رفت پیدل عصا کے سہارے سے ہوتی تھی اور آخری سالوں میں چوپایوں کی سواری سے ہوتی تھی۔ خانقاہ شریف پر جب تشریف لے آتے۔ پہلے روضہ مقدسہ میں حاضر ہوتے۔ وہاں سے فارغ ہو کر باراں دری کے جنوبی طرف متصل چبوترہ جہاں کہ پوری دھوپ ہوتی تھی اپنے مسند شریف پر تشریف ارزانی فرما کر تدریس کا شغل فرماتے تھے فائدہ حضرت کا مسند اکثر کانوں کا بنا ہوا کٹہرا ہوتا تھا جس پر مصلیٰ دجائے نماز کبھی صرف مصلیٰ بچھا ہوا ہوتا تھا حضرت دوپہر کو اسی مسند پر قیلولہ فرماتے اور نماز ظہر تھلہ پر باجماعت ادا فرما کر روضہ مقدسہ میں تشریف لے جاتے۔ بعد فراغت اپنے مسند شریف پر تشریف لے آتے اور وظائف کا شغل فرماتے اور تھوڑی تھوڑی گفتگو بھی حاضرین سے فرماتے رہتے۔ پھر نماز عصر اسی تھلہ پر باجماعت ادا فرما کر شہر جانے کا ارادہ فرماتے۔ اخیر سالوں میں نماز ظہر و عصر اپنے مسند شریف پر ادا فرماتے۔ شہر میں پہنچ کر مسجد کلاں میں شمالی طرف نماز مغرب تک جلوہ نما ہوتے نماز مغرب مسجد میں ادا فرما کر بنگلہ شریفہ پر تشریف لے جا کر وظائف میں مصروف ہو جاتے۔ غذا نماز عشاء سے پہلے تناول فرما کر اور نمازِ عشاء حسبِ دستورِ سابق ادا فرما کر شب باشی حسبِ ذکرِ سابق فرماتے اور گرمی اور بہار کے موسم میں شب و روز خانقاہ معلّٰی پر تشریف رکھتے تھے شہر میں کسی ضیافت یا عیادتِ مریض یا کسی کتاب کے لانے کے لئے تشریف فرما ہوتے اور اگر ان ایام میں کبھی شب باشی کا اتفاق شہر میں ہو جاتا تو بنگلہ شریفہ میں رات کو بسر فرماتے اور اگر دن گذارنے کا اتفاق ہو جاتا تو مسجد کے دروازہ کے پاس زیرِ سایہ تشریف فرما ہوتے اور قیام زیارتِ شریف کے ایام میں اوقاتِ شریفہ کا ضابطہ یہ تھا کہ باراں دری کے شمالی مغربی صحن میں نماز تہجد ادا فرما کر نماز صبح تھلہ پر باجماعت ادا فرماتے۔ بعدہٗ اپنے مسند شریف پر تشریف لے جا کر تاوقتِ چاشت وظائف میں مصروف رہتے۔ اس کے بعد تدریس کا شغل ہوتا۔ وقتِ غذا اور غذا

حضرت اس موسم میں قریب دوپہر تناول فرماتے تھے۔ کبھی کبھی غذا کے بعد بھی تدریس فرماتے۔ اس کے بعد باراں دری میں چارپائی پر قدِ مبارک دراز فرما کر قیلولہ فرماتے۔ اس کے بعد اوائل ایام میں وضو مرتب فرما کر نمازِ ظہر مسجد پختہ میں جو کہ متصل روضہ اقدس ہے ادا فرما کر روضہ اقدس میں تشریف فرما ہوتے اور آخری ایام میں نماز ظہر باراں دری میں یا اس کے صفہ میں ادا فرماتے اور کبھی قیلولہ اس حجرہ شریفہ میں جو کہ متصل روضہ اقدس درمیان دونوں صفوں کے واقع ہے فرماتے اور پھر وضو اسی حجرہ میں مرتب فرما کر نماز ظہر مسجد پختہ میں ادا فرماتے۔ پھر زیارت سے فارغ ہو کر باراں دری میں تشریف لے جاتے پھر نمازِ عصر اسی تھلہ پر ادا فرماتے اور کبھی زیادتی ضعف کی وجہ سے اپنے مسند شریف پر ادا فرماتے اور نمازِ مغرب و عشا تھلہ پر ادا فرماتے اور اخیر میں یہ نمازیں اپنے مسند شریف پر ادا فرماتے اور رمضان شریف میں اوائل ایام میں ختم قرآن پاک شہر کی مسجد میں حافظ احمد اقوالی سے سماع فرماتے اور رمضان شریف کی چوبیس کو ختم ہوتا تھا۔ حافظ صاحب مذکور کہتے ہیں کہ میں نے حضرت کو ستائیس سال قرآن پاک سنایا ہے اور آخری سال میں اس تھلہ پر حافظ خیر محمد پراچہ سے حضرت نے قرآن پاک سماع کرنا شروع فرمایا مگر اتفاق سے حافظ مذکور چند دن کے بعد بیمار ہو گیا۔ پھر حافظ محمد قاسم ابن حافظ مقیم پراچہ نے بقیہ قرآن سنا کر ختم کیا۔ اس سے پہلے ایک سال حضرت نے اسی تھلہ پر حافظ احمد اقوالی سے قرآن پاک سماع فرمایا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ حافظ مذکور مسجد کلاں شہر میں قرآن شریف سناتا تھا اور حضرت شہر تشریف لے جا کر قرآن پاک سن کر واپس زیارت شریف پر تشریف لے آتے ایک رات حضرت نے جب چارپائی پر قدِ مبارک دراز فرمایا تو فقیر فیض جو کہ حضرت کا قدیمی خادم تھا حضرت کے پاپوش مبارک چارپائی سے باندھنے لگا۔ اس وقت میاں احمد خوشابی نے جو آخری سالوں میں حضرت کی صحبت اور خدمت سے فیض یاب رہا اور نووارد تھا، فقیر فیض سے اس کی وجہ پوچھی تو اس کے جواب میں خود حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ مقام جنگل ہے۔ اگر پاپوش باندھے ہوئے نہ ہوں تو گیدڑ لوٹ لے جاتے ہیں۔ ہمارے میاں صاحب کو جب یہ مقام پسند ہے اور حضرت کی اقامت اس جگہ ہے تو ہم بھی اسی جگہ پڑے ہیں۔ بیت

خوش آں دلی کہ شیدا است بروئے دوست　　خوش آں دل کہ شد منزلش کوئے دوست

ذکرِ چھٹا

حضرتِ خواجہ کی عاداتِ شریفہ میں

صاحب تذکرہ ذکر فرماتے ہیں کہ حضرتِ خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ تحصیل علوم ظاہریہ کو شغل و لطائف پر مقدم کرنے کی ترغیب فرماتے اور طلباء کو تحصیل علوم ظاہریہ کی ہدایت فرماتے اور طلبا کو وظائف کی تلقین نہ فرماتے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ میرے لئے بعض اوراد کی اجازت کو تحصیل علومِ ظاہریہ پر موقوف فرمایا اور عوام کو حسب استعداد وظائف تلقین فرمادیتے تھے اور حضرت خواجہ کو علمِ تصوف خصوصاً مثنوی شریف و علمِ عقائد و علمِ معقول کے ساتھ خصوصاً بہت محبت تھی اور حضرت طلبا کو کتب مستعملہ کے پڑھنے کی ترغیب فرماتے اور کتب غیر مستعملہ کے پڑھنے سے صراحتہً یا کنایتہً منع فرماتے چنانچہ صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت خواجہ کی خدمت اقدس میں بہ قصد تبرک کتابیں شروع کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ بعد نماز ظہر یاران ذری کے صفہ میں حضرت رونق افروز تھے۔ پہلے میر زاہد رسالہ شروع کیا۔ پھر غلام یحییٰ جب تیسری کتاب میں نے نکالی تو حضرت نے فرمایا کہ یہ کون سی کتاب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ عبدالعلی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کو تو کوئی نہیں پڑھتا۔ حضرت نے کنایتہً منع فرمایا لیکن بوجہ حرص علم کے میں نے اس کے پڑھنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ صاحب تذکرہ راقم آثم کے پیرو مرشد والد بزرگوار سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب میں نے میر زاہد رسالہ و غلام یحییٰ و عبدالعلی شروع کیا تو حضرت خواجہ نے خواب میں مجھے عبدالعلی کے پڑھنے سے منع فرمایا صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ وہابیوں کی تصنیفات کے ماسوا ہر فن کی کتابوں سے حضرت خواجہ کو محبت تھی جو کتاب مہنگی یا سستی حضرت کو ملتی خرید فرما لیتے تھے۔ راقم آثم نے اپنے قبلہ و کعبہ پیرو مرشد حضرت والد بزرگوار سے سنا کہ فرماتے تھے کہ بعض کتابیں خرید لینے کے بعد حضرت یہ شعر زبان مبارک پر لاتے تھے شعر

> جمادے چند دادم جاں خریدم
> بنام ایزد عجب ارزاں خریدم

راقم آثم نے اپنے پیرو مرشد والد بزرگوار سے سنا کہ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ جب تو نسہ

مقدسہ تشریف لے جاکر چہلم گذارتے تو عرس شریف پر جو صحاف کتابیں بیچنے کے لئے لے آتے تھے۔ حضرت خواجہ روزانہ ان کے پاس تشریف لے جاکر کتابوں کا مطالعہ فرماتے رہتے جب روانگی کی تیاری ہوتی تو ان کی سب کتابیں یکجا خرید فرما لیتے۔ وہ بھی واقف ہو گئے تھے۔ اس انتظار میں حضرت کی روانگی کے ایام تک مقیم رہتے۔ حضرت پیر و مرشدم نے فرمایا کہ ایک دفعہ تونسہ شریف جاتے ہوئے راستہ میں حضرت نے کسی طالب علم سے کوئی کتاب خرید فرمائی جو کہ بظاہر بیش قیمت تھی کسی پراچہ نے اس خیال سے کہ اس طالب علم نے بہت مہنگی فروخت کی ہے اور دوسری جگہ سے یہ کتاب ارزاں مل جاوے گی بغیر حضرت کی اجازت کے وہ کتاب اس طالب علم کو واپس کر دی جب حضرت کو علم ہوا تو حضرت کو اتنی تکلیف ہوتی کہ اس تکلیف کی وجہ سے حضرت کو بخار ہو گیا۔ وہ پراچہ اپنی اس حرکت سے نہایت نادم ہوا اور اس طالب علم کو تلاش کر کے وہ کتاب اس سے واپس لایا۔ جب حضرت کے سامنے کتاب پیش کی تو حضرت نے خوش ہو کر یہی شعر فرمایا ؎

جمادے چند دادم جاں خریدم　　بنام ایزد عجب ارزاں خریدم

حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی مسئلہ فقہیہ پیش ہوتا تو اگر اس وقت کوئی مولوی صاحب حاضر خدمت ہوتے تو حضرت ان سے وہ مسئلہ پوچھتے اور اگر بالفرض کوئی عالم حاضر نہ ہوتا تو کسی کتاب فقہ کو دیکھ کر بطریق حکایت اس کتاب سے بیان فرماتے۔ فتویٰ کے طریقہ پر مسئلہ شرعیہ نہیں فرماتے تھے اور اگر علم تصوف کا مسئلہ ہوتا تو بلا تامل کسی کتاب تصوف کی نقل سے یا کسی بزرگ کے حوالہ سے بیان فرما دیتے تھے حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ بعض طلبہ کو فوراً حلقہ تدریس میں داخل فرما لیتے اور بعض کے لئے تامل فرماتے۔ دیر کے بعد یا کسی کی سفارش سے ان کو اقامت کی اجازت فرماتے مگر افغان طلباء کو بوجہ خوف فساد کے اقامت کی اجازت نہ فرماتے۔ حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ طلباء مقیمین سے کوئی شخص کسی دوسری جگہ جانے کا ارادہ کرتا تو حضرت اس سے ناخوش ہوتے اور جو طلباء کہ پڑھنے میں زیادہ مصروف رہتے کسی کھیل کود کی طرف متوجہ نہ ہوتے حضرت ان سے بہت خوش ہوتے۔ حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ طلباء کے سر کے بال منڈوانے پر اظہار خوشنودی فرماتے اگرچہ بال رکھنے سے

منع بھی نہیں فرماتے تھے۔ حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ کتابوں کی جلد بندی اور حفاظت میں نہایت کوشش فرماتے اور اگر کوئی مولوی صاحب یا طالب علم کوئی کتاب اسی شہر میں استعمال کے لئے طلب کرتا۔ تو اس سے کتاب دریغ نہیں فرماتے تھے اور شہر سے باہر ضائع ہو جانے کے خوف سے عطا نہ فرماتے مگر استاذ مولوی خورشید صاحب لنگڑیالی کو گھر لے جانے کے لئے بھی عند الطلب عطا فرماتے اور فرماتے کہ ایسے شخص سے کتاب کو روکنا اچھا کام نہیں ہے اور حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی شخص کوئی کتاب بطور نذر پیش کرتا اگرچہ وہ کتاب بہت کم قیمت ہوتی حضرت اس سے بہت خوشنودی کا اظہار فرماتے اور خوشی سے حضرت کا چہرہ مبارک چمک جاتا۔ راقم آثم نے اپنے قبلہ و کعبہ پیرو مرشد کی زبان مبارک سے سنا کہ حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی شخص حضرت سے کسی آیتِ شریفہ کا معنیٰ استفسار کرتا تو حضرت کسی تفسیر کو دیکھ کر اس کے حوالہ سے ترجمہ بیان فرماتے۔ اور حضرت کی عادت مبارک تھی کہ بغیر تونسہ مقدسہ کے اور کسی طرف سفر پر تشریف نہیں لے جاتے تھے حضرت ایک دفعہ موضع اخلاص کسی فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے گئے۔ فقیر فاضل شاہ صاحب گڑھی والے جو کہ حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجاز خلیفہ تھے اور مکھڈ ان کی بود و باش اکثر رہتی تھی ان کی وفات پر ان کے اقربار کا خیال تھا کہ حضرت فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے آویں گے مگر حضرت تشریف نہ لے گئے کسی خادم نے عرض کیا کہ فقیر صاحب کے پس ماندگان کا خیال اور شوق ہے کہ حضرت تشریف لے آویں حضرت نے فرمایا کہ میاں پہاڑ اس لئے بھاری ہیں کہ جگہ پہ کھڑے ہیں اور تشریف نہ لے گئے۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ محرم کی بیس یا بائیس کو بہ سواری کشتی تونسہ شریف کے لئے روانہ ہو جاتے اور وہاں چالیس دن معہ خدام خواص اقامت فرماتے۔ واپسی کے وقت اکثر ڈیرہ اسماعیل خان کے راستہ سے اور کبھی بھکر کے راستہ سے تشریف لاتے۔ ابتداء زمانہ میں اس سفر کو پا پیادہ طے فرماتے جس سے پاؤں مبارک پہ پھوڑیاں پڑ گئی تھیں۔ ایک دفعہ سجادگی کے زمانہ میں پاکپتن شریف بہشتی دروازہ سے گذر فرما کر اجمیر شریف حضرت قبلہ عالم غریب نواز کے مزار پاک پہ حاضری دے کر اسی راستہ سے تونسہ شریف تشریف لے جا کر اقامت حسب دستور فرمائی۔ تونسہ مقدسہ میں حضرت صاحب کی خدمت

ہیں کبھی پندرہ روپیہ کبھی پچیس روپیہ اور ایک تہہ بند نیلا نذرانہ پیش کرتے تھے حضرت مولٰنا رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بھی یہی دستور تھا اور حضرت صاحب کے خدام کو بھی کوئی نہ کوئی چیز نذر کرتے تھے اور حضرت بدھ کے دن سفر کرنے سے خدام کو منع فرماتے تھے اور جمعیس کا دن سفر کے لئے پسند فرماتے تھے۔ حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ کوئی غلام دور یا نزدیک سے حاضر خدمت ہوتا تو حسب رتبہ اس کی عزت فرماتے۔ اگر عالم ہوتا تو اٹھ کر بغلگیری فرماتے اور جو عزت والا مہمان ہوتا تو اس کو اپنے ہمراہ دستر خوان پر بیٹھنے کی عزت سے سرافراز فرماتے اور اگر کوئی قدیمی غلام حاضر ہوتا تو اس کے بال بچہ کی خیریت کے متعلق استفسار فرماتے اور اگر کوئی نووارد ہوتا تو اس سے اس کا نام و نسب و مکان استفسار فرماتے۔ جو لوگ بیعت کے ارادہ سے حاضر ہوتے مجلس عام میں ان کو بیعت سے مشرف فرماتے مگر بعض خواص کو خلوت خاص میں نعمت عظمٰی سے بہرہ مند فرماتے۔ حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ ہر شخص کے حال کے مطابق کنایتہً بات فرماتے۔ روئے سخن کسی اور شخص کی طرف ہوتا اور مراد کوئی اور شخص ہوتا تھا وہ سمجھ لیتا تھا کہ میری بات یا خیال کا جواب فرما رہے ہیں حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ اپنے قدم مبارک کی سیدھ میں کسی کو بیٹھنے نہ دیتے تھے اور فرماتے کہ حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کو اپنے قدم مبارک کے سامنے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ حضرت خواجہ کی عادت مبارک تھی کہ طلباء اور خدام کے ساتھ کسی وقت ظرافت و خوش طبعی بھی فرماتے تھے۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی شخص حضرت کی خدمت میں نذر پیش کرتا بعض اوقات اس کے کہے بغیر اس کے لئے دُعا فرماتے۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی غلام کوئی سفارش نامہ طلب کرتا تو اس کے طلب کے موافق تحریر فرما دیتے۔ اگر اس کی خواہش ہوتی تو اس سفارش نامہ پر اپنی مہر مبارک بھی ثبت فرما دیتے اور مہر لگانے والے کو حکم فرماتے کہ خط کے آخر میں مہر لگاؤ۔ سر پر نہ لگاؤ۔ مہر مبارک کا نقش یہ تھا ؎

سلیماں محمد علی نامور   وز لیشاں شد زین الدین بہرہ ور

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بنگلہ شریف میں عالم تنہائی میں میں حضرت کے اعضائے مبارک کو چاپی کر رہا تھا۔ موقعہ کو غنیمت سمجھ کر میں نے عرض کیا کہ حضرت کرم فرما کر غلام کے دو دستخات شریف کو اپنی مہر مبارک سے مزین فرما دیویں۔ حضرت نے فرمایا کہ اس پر مہر لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے عرض

کیا کہ والد صاحب نے مجھے اس طرح فرمایا تھا۔ دوسرے دن استاذ قریشی صاحب نے مجھے طلب کر کے فرمایا کہ حضرت نے مجھے حکم دیا ہے کہ عبدالغنی کے درود مستغاث شریف پر مہر لگادو۔ تم اپنا درود لے آؤ۔ میں اپنا درود شریف لے کر مع استاذ قریشی صاحب بنگلہ شریف میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے استاذ قریشی صاحب کو فرمایا کہ درود مستغاث شریف کے آخر میں مہر ثبت کرو۔ اتفاقاً اس وقت وہاں سیاہی موجود نہ تھی۔ سیاہی کی تلاش میں میں باہر چلا گیا۔ جب واپس حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرت نے درود مستغاث شریف کا آخری ورق کھولا ہوا ہے اور استاذ قریشی صاحب کو فرمایا کہ اس جگہ مہر لگاؤ۔ استاذ قریشی صاحب نے بموجب فرمان اس جگہ مہر لگائی۔ حضرت نے استفسار فرمایا کہ اچھی لگی ہے۔ عرض کی گئی کہ اچھی لگی ہے ایک طرف سے کچھ ناقص ہے مگر حروف سب ظاہر ہیں۔ بندہ اور استاذ صاحب نے بغیر اجازت ارادہ کیا کہ درود شریف کے اوائل میں مہر لگاویں۔ چنانچہ مہر لگانے سے سوائے چند خطوط کے کوئی شئے ظاہر نہ ہوئی۔ استاذ صاحب نے سمجھا کہ یہ کام حضرت کی مرضی کے مخالف ہے اس لئے نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ لہٰذا ان خطوط کو بھی محو کر دیا۔ جاننا چاہئے کہ حضرت نے یہ مہر مبارک اپنی انگلی مبارک میں کبھی نہیں پہنی تھی۔ قلم دان میں رکھی ہوتی تھی بوقت ضرورت استعمال فرماتے۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ سر مبارک کے بالوں کو منڈواتے تھے اور اوپر والے لب مبارک کے کنارہ کو استرا سے صاف کر لیتے اور نچلے لب مبارک کے کنارہ کو بھی استرا سے صاف کرواتے۔ باقی بالوں کو قینچی سے کترواتے اور ابرو مبارک کے بال بڑھ جاتے تو ان کو بھی برابر کرواتے اور ریش مبارک اگر قبضہ سے زائد ہو جاتی تو برابر کرواتے مگر دیکھنے میں قبضہ سے زائد معلوم ہوتی تھی اور پاؤں مبارک کی پیٹھ پر اور انگلیوں پہ بھونریاں ہوتی تھیں ان کو بھی کٹواتے تھے۔ ایک دفعہ سلطان ولد رمضان حجام جب بھونریاں کاٹنے میں مصروف تھا تو حضرت نے فرمایا کہ یہ بھونریاں تونسہ شریف کے راستہ پیدل چلنے سے پیدا ہوئی ہیں۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اوائل سالوں میں عصا مبارک کے سہارہ سے چلتے تھے اور اخیر میں کسی خادم کے اوپر ہاتھ مبارک رکھ کر چلتے تھے۔ حضرت کی عادت مبارک نسوار کے استعمال کی تھی۔ حضرت کے نسوار کے دو ڈبے ہوتے تھے۔ ایک میں خاص نسوار جو کہ حضرت کے مزاج کے موافق تھی۔ دوسرے میں عام نسوار عوام کے لئے۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ تسبیح دو شمار والی جس کا تاگا سفید ہوتا دائیں ہاتھ میں استعمال فرماتے

تھے۔ حضرت کے بائیں ہاتھ میں تسبیح کبھی نہ دیکھی گئی۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ رات سونے کے وقت اور کبھی چاشت کے وقت اپنی آنکھ مبارک کو سرمہ سے مزین فرماتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ رات کوئی دوا استعمال فرماتے پھر چاشت کو سرمہ ڈالتے۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ موسم سردی میں جس وقت مکان سے باہر کھلی ہوا میں تشریف آوری کا ارادہ فرماتے تو پیشانی مبارک اور بینی کو اپنے ہاتھ مبارک سے مالش فرماتے اور فرماتے کہ یہ عمل نزلہ کی رکاوٹ کے لئے سودمند ہے اور حضرت کی عادت مبارک تھی کہ بسبب امراض جسمانی حسب ضرورت ادویہ استعمال فرماتے رہتے اور حضرت کا معالج قاضی غلام مصطفیٰ صاحب ساکن شکر پڑی تھا۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ کسی غذا کے استعمال سے پرہیز نہ فرماتے مگر حضرت کی غذا اکثر چنے کی دال اور ساگ گوشت ہوتی تھی۔ اور غذا بہت کم تناول فرماتے۔ راقم آثم نے اپنے قبلہ و کعبہ پیر و مرشد کی زبانِ مبارک سے سنا کہ ایک دفعہ کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت نے غذا اب کم فرمادی یا ابتدا سے یہی کیفیت ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ابتدا سے یہی کیفیت ہے۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ دعوت ہر کسی کی منظور فرماتے۔ ہاں اگر دعوت دینے والا مفلس ناتوان ہوتا تو منظور نہ فرماتے اگر بہت الحاح کرتا تو اس کی پاس خاطر کے لئے منظور فرما لیتے اور اگر کسی موقع پر دو شخص دعوت کے لئے عرض کرتے تو سابق کی منظور فرماتے اور حضرت اکثر اوقات بعد از عشاء دودھ بکری یا گائے کا جوش دیا ہوا استعمال فرماتے تھے اور چائے سوائے موسم سردی کے اور بغیر عارضہ زکام کے استعمال نہ فرماتے۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ کوئی حاجت مند تعویذ طلب کرتا تو اس کو عطا فرماتے لیکن تعویذ اپنے ہاتھ مبارک سے نہ لکھتے کوئی طالب علم حاضر ہوتا اس کو فرماتے کہ یہ کلام لکھ دے اور ایام عرس شریف سے پہلے طلباء کو حکم فرماتے کہ بہت سے تعاویذ لکھیں۔ پھر حضرت خود ملاحظہ فرماتے اگر کوئی غلطی ہوتی تو اصلاح فرماتے۔ صاحب تذکرہ راقم آثم کے پیر و مرشد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت کا حکم تھا کہ تعویذ لکھ کر نیچے یہ لفظ تین دفعہ لکھو مدت یا مولینا (رضی) حضرت کو دنیا اور اہل دنیا سے استغنائے تام تھی۔ مال و مویشی کے قسم سے کوئی چیز نہیں تھی صرف ایک نر بھینس خراس میں آٹا پیسنے کے لئے ہوتا تھا۔ طویلہ حضرت نے بنوایا تھا صرف زائرین کے مال مویشی کے تھے۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ سماع بدون آلات و مع آلات مجلس خاص و عام میں بلا تحاشا فرماتے تھے اور حضرت مولانا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابیات

ہندیہ کو بہت پسندیدگی سے سماع فرماتے اور مجروح و بخشا ملتانی کے ابیات کو بھی سماع فرماتے تھے اور آخری سالوں میں صرف حضرت مولناؒ کے ابیات سماع فرماتے۔ یہ ابیات حضرت کی غذا ہو گئے تھے۔ راقم آثم نے میاں احمد قوال خوشابی سے سنا کہ کہتا تھا کہ اکثر اوقات حضرت مجھ سے یہی ابیات سماع فرماتے۔ بعض دفعہ جب سبق پڑھنے کے لئے میں حاضر ہوتا تو فرماتے پہلے بیت سناؤ پھر سبق پڑھنا اور آخری سالوں میں قصص عاشقانہ۔ قصہ سسّی پنوں وغیرہ بھی سماع فرماتے۔ ایک دن قصہ سسّی پنوں مصنفہ مولوی غلام رسول قلعہ والا آپ کی نظر مبارک سے گزرا۔ حضرت نے اس کو پسند فرمایا۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا کہ مصنف نے اس کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ امر بدعت ہے اور اس سے تائب ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ عاشق کا قصہ بیان کرنے میں کیا بدعت ہے۔ صاحب تذکرہ راقم آثم کے پیر و مرشد کی روایت سے بیان کرتے ہیں کہ آخری سالوں میں حضرت اکثر مستغرق رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو حضرت کو بالکل اس سے کچھ اطلاع نہ ہوتی۔ جب وہ بلند آواز سے کچھ بات کرتا تب حضرت اس کے آنے سے مطلع ہوتے اور اس استغراق کی حالت میں کبھی بالکل خاموش ہوتے کبھی آہستہ آہستہ اپنے ساتھ کچھ گفتگو فرماتے کبھی کسی کے حق میں غصہ فرماتے اور کبھی حضرت مولناؒ کے ابیات پڑھنے میں مشغول ہوتے۔ راقم آثم نے اپنے قبلہ و کعبہ پیر و مرشد کی زبان مبارک سے سنا کہ جب ہم خورد سال بچہ تھے۔ اتفاقاً کھیلتے کودتے بابال دری شریف کے پاس آجاتے تو بابال دری شریف کا دروازہ بند ہوتا تھا اور اندر بہت سے آدمیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آتیں اور حضرت احکام صادر فرماتے کہ فلاں کام اس طرح کرو فلاں اس طرح حالانکہ بغیر حضرت کے اخدام اور طلباء سے کوئی بھی اندر موجود نہ ہوتا تھا۔ حضرت کی نشست اکثر دو زانو تھی کہ دائیں قدم مبارک کا قدرے پنجہ بائیں قدم مبارک کے پنجہ کے اوپر ہوتا تھا اور حاضرین کو تھوڑی سی حرکت دائیں بائیں معلوم ہوتی تھی اور مربع نشست بہت کم تھی اور کبھی دائیں پہلو پر قدر دراز فرما کر دائیں بازو کو کھڑا کر کے سر مبارک کو اس پر رکھتے اور تدریس اکثر اسی حالت میں ہوتی تھی اور نیند کے وقت بھی دائیں پہلو پر دراز فرماتے اور کبھی سیدھے پیٹھ پر آرام فرماتے۔ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ مغرب کی نماز کے وقت میں بہت کوشش فرماتے اور فرماتے کہ غروب متحقق اس وقت ہوتا ہے جب رات کی سیاہی سر پر آجاوے۔ حضرت نماز باجماعت با اقتدا

ادا فرماتے۔ خود امامت نہیں فرماتے تھے۔ البتہ نماز جنازہ میں خود امامت فرماتے تھے۔ حضرت کا امام اکثر اوقات
استاذ قریشی صاحب ہوتے تھے یا فقیر فیض کبھی کوئی اور شخص بھی امام ہو جاتا تھا۔ ہر نماز کے بعد دعا کے لئے
تین دفعہ ہاتھ مبارک بلند فرماتے تھے اور روضہ مبارک میں بھی تین دفعہ دعا کے لئے ہاتھ مبارک اٹھاتے۔ روضہ
مبارک کی حاضری کے متعلق حضرت کی عادت مبارک یہ تھی کہ اوائل ایام میں روزانہ دو دفعہ تشریف لے جاتے
تھے۔ ایک دفعہ بوقت چاشت دوسری دفعہ بعد از نماز ظہر۔ کبھی کبھی نماز عصر کے بعد تشریف لے جاتے۔ آخر
ایام میں صرف ایک دفعہ حاضری دیتے اور روضہ مطہرہ کی داخلی سے بدون وضو کے منع فرماتے اور حضرت کا
زیارت مزار اقدس کے متعلق یہ طریقہ تھا کہ جب بارال دری سے روضہ اطہر کی جانب تشریف لے جاتے
تو دروازہ غربی کے متصل زینہ سے نیچے پاپوش مبارک اتار کر پاپیادہ زینہ پر چڑھتے جس وقت روضہ اطہر
کے دروازہ پہنچتے تو اگر کوئی شخص سہارا کے لئے حضرت کے ہمراہ ہوتا تو اس کو چھوڑ کر قدرے توقف
فرماکر کمال آہستگی سے آستان مبارک پر دونوں ہاتھ رکھتے۔ پھر سیدھے ہو کر دونوں ہاتھوں کو سینہ منورہ
پر ملتے۔ پھر اندر روضہ اطہر میں داخل ہو کر مزار شریف کے قریب پہنچ کر قدرے توقف فرماتے۔ پھر دونوں
ہاتھ مبارک مزار شریف کے قدم کے قریب زمین پر رکھتے۔ پھر اٹھ کر دونوں ہاتھ سینہ منورہ پر ملتے اور کمال
تعظیم کی وجہ سے مزار شریف کو ہاتھ لگانا یا بوسہ نہیں فرماتے تھے اور اگر حضرت کے سامنے کوئی شخص مزار
شریف کو بوسہ دیتا یا ہاتھ لگاتا تو اس کو منع بھی نہیں فرماتے تھے۔ پھر مغرب کی جانب مقابل سینہ منورہ کمال
ادب سے دو زانو بیٹھ جاتے۔ پھر کوئی کلام پڑھنے کے بعد تین دفعہ دعا کے لئے ہاتھ مبارک اٹھاتے۔ دعا
کے بعد کبھی کبھی مزار شریف کے قریب غلاف مبارک کو داہنے ہاتھ سے پکڑ کر کچھ عرض کرتے۔ صاحب
تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ موضع لنگڑیال میں مجھے اپنے بھائی محمد جان کی سخت بیماری کی خبر ملی۔ چونکہ
بجز ذات اقدس زینت الاولیاء کے کوئی ماویٰ و ملجا نہیں تھا۔ لہٰذا اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی میں
فوراً راہی گھنڈ ہوا۔ بعد از حصول قدم بوسی عرض کیا کہ میرا بھائی محمد جان سخت بیمار ہے۔ اس کے لئے
دعائے خیر فرمائیں۔ حضرت نے دعائے خیر فرماکر فرمایا کہ غلام جان کو کیا بیماری ہے؟ حضرت میرے بھائی محمد جان
کو غلام جان کے نام سے موسوم فرماتے تھے۔ میں نے عرض کی کہ جو چیز کھاتا ہے فوراً پیٹ میں درد شدید

پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے میاں صاحب کو بھی یہی عارضہ لاحق ہوا تھا اور اسی مرض سے حضرت کا وصال ہوا۔ جب حضرت حسب عادت روضہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے۔ بعد از فاتحہ میں نے دعا کے لئے عرض کیا تو حضرت نے غلاف مبارک کو پکڑ کر آہستہ آہستہ کچھ فرمانا شروع کیا۔ میں نے کوشش کی کہ حضرت کے دعا کے الفاظ مبارک سنوں۔ میں نے اتنا سمجھا کہ فرما رہے تھے "غلام جان نیں امداد کرو" یعنی غلام جان کی امداد کرو۔ اسی لفظ کو مکرّر کئی دفعہ فرماتے رہے۔ بعد ازاں میں رخصت ہو کر گھر کی جانب راہی ہوا۔ روانگی کے وقت حضرت نے فرمایا کہ آیات شفا لکھ کر پلاتے رہو مگر چونکہ تقدیر قطعی تھی چند ایام کے بعد بھائی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد دوسرے یا تیسرے روز ایک زمیندار میرو نام میرے والد صاحب کے پاس آیا جو کہ طائفہ اولیاء و علماء سے ناواقف تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے آج رات عجیب خواب دیکھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ موضع گاڑ جہاں کہ گورستان ہے، اس طرف سے ایک جماعت عجب صورت والے یعنی سب کے نیلے تہہ بند تھے اور سر پر سفید ٹوپی اور آپ کے گھر کی طرف آ رہے تھے میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ پیشوا اس جماعت کے حضرت مولٰنا مکھڈی رضؓ ہیں۔ باقی ان کے خدام ہیں میاں محمد جان کی عیادت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ جب یہ خواب میں نے سنا تو سمجھ لیا کہ یہ حضرت زینت الاولیاء کی دعا کا اثر ہے کہ حضرت مولٰنا امداد کے لئے تشریف فرما ہوئے الحمد للہ علیٰ ذالک۔ اور حضرت جب روضہ مطہرہ سے باہر تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے تو پہلے کی طرح تعظیم بجا لا کر باہر تشریف لاتے پھر بیرونی مزارات پر بیٹھ کر فاتحہ خوانی فرما کر باراں دری میں تشریف لے جاتے۔

ذکر ساتواں

حضرت کے کرامات و خرق عادات کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ حضرت زینت الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کرامات لا تعد و لا تحصیٰ ہیں مگر راقم آثم کو جو کچھ اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ و کعبہ سے پہنچا ہے یا کسی اور قابل وثوق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے

عرض کئے دیتا ہوں۔ راقم آثم نے ملک شاہ نواز اٹکہ والے کے دونوں صاحبزادوں میاں محمد و میاں احمد سے
سنا ہے کہ حضرت نے اپنی جائداد آبائی زمین مزروعہ وغیرہ میاں محمد و میاں احمد دونوں کے نام منتقل کرادی
حضرت کے وصال کے بعد میاں غلام قادر نامی ایک شخص نے جس کا سلسلہ نسب حضرت کے ساتھ حضرت کے
جدِ امجد فتح خان میں جا کر ملتا ہے اور وہ سلسلہ کے لحاظ سے میاں محمد و میاں احمد سے ایک درجہ اوپر ہے،
اس نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ چونکہ حضرت کی اولاد نرینہ نہیں ہے۔ لہٰذا حقِ وراثت مجھ کو ملنا چاہیئے
رات کے وقت خواب میں میاں غلام قادر کو حضرت زینت الاولیاءؒ کی زیارت اس کیفیت پر ہوئی کہ حضرت
مربع نشست سے تشریف فرما ہیں اور حضرت کے ایک رانِ مبارک پر راقم آثم کے والد بزرگوار و عم بزرگوار
بیٹھے ہیں اور دوسری رانِ مبارک پر میاں محمد و میاں احمد پسران ملک شاہ نواز بیٹھے ہیں حضرت نے میاں
غلام قادر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ او قادر، تو میرے متعلق کہتا ہے کہ او ترا یعنی لاولد ہے۔ دیکھ میرے یہ
چار فرزند ہیں جس کے چار بیٹے ہوں وہ لاولد ہوتا ہے۔ دعویٰ چھوڑ دے ورنہ تباہ ہو جاویگا اور اگر تو نے
میرا کہا مان کر دعویٰ چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ تجھے اس کے بدلہ میں بہت کچھ دے گا۔ چنانچہ صبح بیدار ہو کر
میاں غلام قادر نے دعویٰ سے دست برداری دے دی اور میاں محمد و میاں احمد سے معافی مانگی اور
خواب کا بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کو نہری زمین عطا فرما دی جس سے وہ مطمئن و
آسودہ حال ہو گیا۔

راقم [illegible] نے پیر و مرشد کی زبانِ مبارک سے سنا کہ فقیر فیض جس کا ذکر پہلے بھی گذرا ہے کہ
حضرت کا امام [illegible] ہوتا تھا، اس کی بیعت حضرت خلیفہ محمد عابد جی کے ساتھ تھی، ان کے وصال کے بعد
جب حضرت زینت الاولیاءؒ اس مسند پر جلوہ افروز ہوئے تو اپنے پیر کا جانشین سمجھ کر حضرت کی خدمت گزاری
کرتا تھا۔ اس کی خدمت یہ تھی کہ لنگر کا سارا کام اسی کے سپرد تھا، مہمانوں کو روٹی دینا، ان کو چارپائی وغیرہ
دینا، لنڈھے کا گھاس کاٹنا، خراس پر آٹا پیسنا۔ اس کے علاوہ حضرت کو وضو کرانا، امامت کرانی جس وقت
آرام فرماویں چاپی کرنی خلاصہ یہ کہ سب کچھ حقِ خدمت ادا کرتا تھا مگر حضرت زینت الاولیاء کے متعلق یہ خیال
تھا کہ آپ بزرگ نہیں ہیں، میرے پیر کے جانشین ہیں، میں نے خدمت کرنی ہے۔ ایک دن وہ حضرت کا

چاپی کر رہا تھا کہ اچانک وہ دیکھتا ہے کہ حضرت کی ٹانگ مبارک ایک موجود ہے، دوسری غائب ہے۔ نہایت متغیر ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگ گیا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد دیکھا کہ دونوں موجود ہیں۔ تب اس کو یقین واثق ہو گیا کہ حضرت نے میرا عقیدہ درست کرنے کے لئے یہ بات مجھے مشاہدہ کرائی ہے۔ پھر تو آخر دم تک خلوص سے حضرت کی خدمت بجا لاتا رہا

راقم آثم نے اپنے پیرو مرشد حضرت والد بزرگوار سے سنا کہ مصنف تذکرۃ المحبوب مولوی عبد الغنی صاحب ساکن بھوئی کو ان کے والد صاحب حضرت زینت الاولیاؒ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں اپنا لڑکا آپ کی خدمت میں لایا ہوں علم ظاہری و باطنی میں آپ سے میں اس کو کامل لونگا۔ حضرت نے اس وقت ان کو کچھ نہ فرمایا اور اسباق مولوی عبد الغنی صاحب کے شروع کرا دیئے۔ چند دن کے بعد حضرت نے خود فرمایا کہ مولوی جی! تمہارے اسباق تو شروع ہو گئے ہیں۔ تم بیعت بھی کر لو۔ مولوی عبد الغنی صاحب نے انکار کیا کہ میں ابھی بیعت نہیں کرتا۔ اس رات جب مولوی صاحب سوئے تو خواب میں دیکھا کہ میدانِ قیامت برپا ہے اور بعض لوگ حساب و کتاب سے فارغ ہو کر بہشت کی طرف جا رہے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کہتے ہیں کہ میں بھی اس گروہ میں شامل ہو کر بہشت کی طرف روانہ ہوا۔ جب میں بہشت کے دروازہ کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ حضرت زینت الاولیاؒ دروازہ بہشت پر تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو بہشت میں داخل فرما رہے ہیں۔ جب میں پہنچا تو حضرت نے فرمایا کہ تم ابھی ٹھیر جاؤ۔ اس خواب سے جب مولوی صاحب بیدار ہوئے تو تہجد کا وقت تھا۔ اسی وقت اٹھ کر باراں دری میں آئے دیکھا کہ حضرت نماز تہجد کیلئے وضو فرما رہے ہیں۔ اسی وقت بیعت کے متعلق عرض کر کے مشرف بہ بیعت ہوئے کمال عقیدت جو کہ تذکرۃ المحبوب کی عبارت سے ٹپک رہی ہے ان کے کمال باطن پر دلیل بین ہے۔

راقم آثم نے اپنے پیرو مرشد حضرت والد بزرگوار سے سنا کہ ایک حجام باشندہ مکھڈ تھا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ ایک دن حضرت نے اس کو خود بخود فرمایا کہ استخارہ کرو اور ترکیب استخارہ کی بتائی۔ اس حجام نے حسب فرمان رات کو استخارہ کی کلام پڑھی۔ صبح جب حاضر ہوا تو حضرت نے پوچھا کہ کوئی خواب دیکھا ہے۔ اس نے عرض کی کہ میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر رات کو استخارہ کر۔ دوسری رات بھی اس کو کچھ نظر نہ آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر استخارہ کر۔ تیسری رات بھی کوئی خواب اس نے نہ دیکھا۔ تیسرے

دل۔ صبح کو جب اس نے یہی عرض کیا کہ میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا تو حضرت نے فرمایا کہ تو تو بہت گنہگار ہے۔ روزانہ اس کلام کو پڑھتا رہ۔ حسب فرمان وہ عمل کرتا رہا۔ چنانچہ ساتویں رات اس نے یہ خواب دیکھا کہ میدان قیامت ہے اور اس میں ایک بالاخانہ اس کو نظر آیا اور دیکھا کہ اس بالاخانہ پر بعض لوگ جاتے ہیں اور وہاں سے کوئی شخص ان کو جنت کے لئے راہداری دیتا ہے وہ لے کر جنت کی طرف چلے جاتے ہیں اور وہ راہداری دکھا کر بہشت میں داخل ہو رہے ہیں۔ وہ حجام کہتا ہے کہ میں نے بھی ارادہ کیا کہ بالاخانہ پر جا کر راہداری حاصل کروں اور دیکھوں کہ کون صاحب راہداری دے رہے ہیں۔ اس ارادہ سے جب میں اوپر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں حضرت زینت الاولیاء کی ذات مقدس تشریف فرما ہے اور لوگوں کو راہداریاں عطا فرما رہے ہیں۔ اسی حد پر پہنچ کر میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ صبح حسب معمول جب میں حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ آج کوئی خواب دیکھا ہے میں نے یہ خواب عرض کیا کہ آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ خاموش ہو جا خبردار کسی کے آگے مت ظاہر کر۔

راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد والد بزرگوار کے خادم شیخ عبداللہ مرحوم سے سنا وہ پیر و مرشدم کی زبان مبارک سے روایت کرتے تھے کہ حضرت زینت الاولیاؒ کے زمانہ مبارک میں پراچگان اہل دول رجب کے مہینہ میں مال زکوٰۃ سے طلباء کی کافی خدمت کرتے تھے۔ ہر ایک طالب علم کو پچاس ساٹھ یا کم و بیش مل جاتا تھا۔ ایک طالب علم تھا کہ اس کو حج بیت اللہ کا شوق تھا۔ جب اس کو رقم مل جاتی تو حج کا ارادہ کر کے حضرت زینت الاولیاؒ سے اجازت طلب کرتا۔ حضرت فرماتے کہ تجھ پر حج فرض نہیں ہے اور اس سفر میں بہت تکلیف ہوتی ہے بعض اوقات تکالیف کی وجہ سے نماز فرض قضا ہو جاتی ہے۔ یہ ارادہ ترک کر دے۔ چنانچہ وہ حسب فرمان رک جاتا اور رقم اپنی ضروریات پر خرچ کر دیتا۔ پھر دوسرے سال جب رقم یکجا مل جاتی۔ پھر ارادہ کر کے اجازت طلب کرتا اور وہی جواب سن کر خاموش ہو جاتا۔ ایک سال جب اس کو رقم ملی تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت تو اجازت عطا نہیں فرماتے۔ اس دفعہ بغیر اجازت جاتا ہوں چنانچہ وہ شخص بغیر اجازت روانہ ہو گیا۔ پیدل چلتے چلتے بمبئی پہنچ گیا اور وہاں سے کشتی پر سوار ہو گیا۔ اس زمانہ میں یہ جہاز نہیں تھے۔ اتفاقاً وہ کشتی طوفان میں مبتلا ہو کر پاش پاش ہو گئی۔ اس وقت حضرت زینت الاولیاءؒ اپنی بارہ دری شریف میں بارادہ وضو تشریف فرما تھے کہ حضرت نے قبلہ کی جانب رُخ مبارک

کر کے یہ الفاظ زبان مبارک سے متعدد دفعہ فرماتے "پٹھا تھی بھیڑیا میرا آکھا جو نا ہیں منینا"۔ پھر اپنا دایاں ہاتھ مبارک اس طرف اس طرح پھرایا جیسا کسی چیز کو پکڑنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ جب حضرت نے ہاتھ مبارک واپس لوٹایا تو جو شخص اس وقت حاضر خدمت تھا اس کا بیان ہے کہ حضرت کا ہاتھ مبارک کہنی تک بھیگا ہوا تھا اور آستین مبارک بھی تر تھی میں نے اس کو نچوڑا۔ وہ شخص کہتا ہے کہ مجھے اس واقعہ سے کمال حیرت ہوئی مگر حضرت کی ہیبت اور کمالِ ادب سے کچھ سوال نہ کر سکا۔ اس بات کو چند عرصہ گزر گیا۔ اس کے بعد اسی طالبعلم کا بمبئی سے خط آیا کہ مکھڈ آرہا ہوں اور حضرت کے لئے میں نے فلانی کتاب خریدی ہے ساتھ لا رہا ہوں چونکہ حضرت کو کتابوں سے عشق تھا۔ لہٰذا حضرت نے بہت خوش ہو کر فرمایا کہ فلاں شخص ہمارے لئے کتاب لا رہا ہے۔ چند عرصہ کے بعد وہ طالب علم مکھڈ پہنچا۔ اس نے اپنی سرگزشت اس طرح بیان کی کہ جب طوفان سے کشتہ ٹوٹ گیا اور میں سمندر میں گر گیا تو اس وقت میں نے حضرت کو پکارا مکھڈ والے پیرا میری امداد کر۔ اس وقت کسی نے مجھے پانی سے پکڑ کر ایک تختہ پر بٹھلا دیا اور وہ تختہ چلتے چلتے کسی جگہ کنارہ پہنچ گیا اور وہاں سے میں پیدل چل کر بمبئی پہنچ گیا۔ تاریخ ملانے پر معلوم ہوا کہ وہی دن اور وہی وقت تھا جب کہ حضرت نے جائے وضو پر بیٹھے ہوئے ہاتھ مبارک کو گردش دی تھی اور بھیگا ہوا ہاتھ واپس لوٹایا تھا۔ سبحان اللہ! ؏

درازدستیِ ایں کوتہ آستیناں بیں!

راقم آثم نے بارہا یہ دو قصے قاضی غلام حسین کی زبان سے سنے معلوم ہو کہ شخص مذکور قوم کا پراچہ تھا اور اس کی بیعت حضرت زینت الاولیاءؒ کے ساتھ تھی اور چونکہ حضرت پیرو مرشدم کی کتابیں زمانہ تعلم میں اٹھا کر حضرت کے ساتھ لے جاتا تھا۔ اس واسطے عوام نے اس کو قاضی کہنا شروع کر دیا۔ پھر اسی نام کے ساتھ مشہور ہو گیا۔

ایک قصہ یہ ہے قاضی موصوف کہتا تھا کہ اوائلِ عمر میں مجھ سے کوئی فعل شنیع سرزد ہو گیا۔ اس کی وجہ سے مجھ پر مقدمہ بن گیا۔ اس وقت مکھڈ کا رئیس غلام محمد خاں تھا اور خان مذکور میرے خلاف مدعیوں کی امداد کر رہا تھا اور کچہری موضع اٹک میں تھی اور مجسٹریٹ حکم چند نامی ایک ہندو تھا جو کہ بہت سخت گیر تھا اسی کی عدالت میں میرا مقدمہ دائر تھا۔ القصہ مقدمہ چلتے چلتے اپنے آخری مرحلہ پر پہنچ گیا یعنی صفائی کی شہادت کے بعد حکم چند نے مجھے چھ ماہ قید کی سزا سنا دی اور پولیس مجھے ہتھکڑی لگا کر تھانہ اٹک میں لے گئی بوجہ اس کے کہ جیل خانہ اس وقت

راولپنڈی میں تھا رات تھانہ میں گزار کر صبح راولپنڈی انہوں نے مجھ کو لے کر جانا تھا جنہوں نے میری صفائی کی شہادت دی تھی میری سزایابی کا حکم سن کر بذریعہ کشتی روانہ ہو کر شام سے پہلے مکھڈ پہنچ گئے اور میری والدہ کو انہوں نے میرا ماجرا سنایا شام کے بعد میری والدہ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ غلام حسین قید ہو گیا ہے حضرت نے فرمایا کہ حد ہے کتنے کافر کی کہ غلام حسین کو قید کرے جا چلی جا رات کے وقت تو کیوں آئی ہے۔ میری والدہ نے عرض کی کہ غریب نواز! غلام حسین کے جو صفائی کے گواہ گئے تھے، ان کے سامنے حاکم نے قید چھ ماہ کا حکم سنا کر پولیس کے حوالہ کر دیا۔ یہ گواہ یہ ماجرا دیکھ کر آئے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت نے پھر وہی کلمات فرمائے کہ جا گھر چلی جا۔ حد ہے کتنے کافر کی کہ اس کو قید کرے۔ میری والدہ واپس گھر چلی گئی۔ قاضی غلام حسین کا بیان ہے کہ میں وہ رات تھانہ اٹک میں تھا میں نے پولیس کو رشوت دے کر اپنے لئے چارپائی حاصل کر لی تھی اور چارپائی پر سو گیا اور میں نے پولیس کو یہ بھی کہا تھا کہ میں نے مسافت کبھی نہیں کی۔ پیدل راولپنڈی تک چلنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ مجھے کوئی خچر وغیرہ کرایہ پر لے دو۔ پولیس نے میرے لئے ایک خچر کرایہ پر لی اور کرایہ دار کو کہا کہ شہر کے حدود سے باہر خچر لے آنا۔ القصہ میں رات سویا تھا کہ نیند میں مجھے اپنے پیرومرشد حضرت زینت الاولیاء کی زیارت ہوئی کہ آپ وہاں تشریف لائے ہیں میں نے عرض کی کہ غریب نواز میں قید ہو گیا ہوں حضرت نے فرمایا نہیں تو قید نہیں ہوا۔ حد ہے کتنے کافر کی کہ تجھ کو قید کرے میں نے عرض کی کہ غریب نواز حاکم نے میری قید کا حکم سنا دیا ہے اور میں پولیس کی زیر حراست اب تھانہ میں ہوں۔ جہاں اس وقت آپ تشریف فرما ہیں۔ یہ تھانہ ہے اور صبح مجھ کو راولپنڈی جیل میں لے جاویں گے۔ حضرت نے پھر وہی کلمات فرمائے کہ نہیں تو قید نہیں ہے۔ حد ہے کتنے کافر کی کہ تجھ کو قید کرے۔ اس کے بعد میں فوراً بیدار ہو گیا میں نے جب اس خواب کو سوچا تو مجھے کامل یقین اور اطمینان ہو گیا کہ میں قید تو ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اب رہائی کی کیا صورت ہو گی جب صبح ہوئی تو پولیس مجھے لے کر روانہ ہوئی۔ مقررہ مقام پر خچر موجود تھی۔ اس پر میں سوار ہو کر روانہ ہوا۔ رشوت کی وجہ سے پولیس نے مجھے ہتھکڑی بھی نہ لگائی تھی مجھے بار بار رات والی خواب اور حضرت کا فرمان یاد آتا اور میں مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھتا۔ سپاہی جو میرے ساتھ تھے کہتے تھے کہ پیچھے مڑ کر کیوں دیکھتا ہے۔ اب تیرے پیچھے کون آتا ہے۔ بغیر اپیل اور ضمانت کے تیری رہائی ناممکن ہے۔ میں خاموش تھا ان کو میں کیا بتا سکتا تھا لیکن دل پورا مطمئن تھا۔ القصہ

تھوڑی دیر کے بعد مجھے پیچھے سے کوئی آواز کسی بلانے والے کی محسوس ہوئی میں نے فوراً خچر کو روک لیا۔ سپاہیوں نے مجھے کہا کہ کیوں خچر کو روک لیا ہے میں نے ان کو کہا کہ کوئی آدمی پیچھے سے بلا رہا ہے وہ کہنے لگے کہ تو بڑا بیوقوف آدمی ہے تو سزا یافتہ ہے تجھے کون بلاتا ہے میں نے ان کو کہا کہ تھوڑی دیر صبر کیجئے۔ میرے کہنے پر وہ بھی ٹھہر گئے۔ اور انہوں نے مجھ پر جبر و تشدد نہ کیا۔ اسی میں دور سے ایک ٹانگہ نمودار ہو گیا جس کو دیکھ کر سپاہی اس کے انتظار میں ٹھہر گئے۔ جب وہ ٹانگہ ہمارے قریب پہنچا تو اس پر حکم چند کا اردلی سوار تھا اور پولیس کے نام پروانہ تھا کہ مجرم کو واپس لے آؤ۔ خچر کو وہیں چھوڑ کر میں اور پولیس والے اردلی کے ساتھ ٹانگہ پر سوار ہو گئے۔ جب ہمارا ٹانگہ شہر سے گزرا تو لوگ نہایت تعجب سے دیکھتے کہ کل پولیس اس کو ہتھکڑی لگا کر لے جا رہی تھی اور آج ٹانگہ پر واپس آ رہا ہے اس جگہ کچہری میں یہ واقعہ ہوا کہ جب میرے اقربا صبح حکم چند کو ملنے گئے کہ ہم گھر جا رہے ہیں تو ان سے حکم چند نے پوچھا کہ ملزم کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کو آپ نے کل قید کا حکم سنا کر پولیس کے حوالہ کر دیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے تو کوئی حکم نہیں سنایا۔ تب میرے اقربا نے کہا کہ اس کو تو پولیس جیلخانہ کی طرف لے کر روانہ ہو گئی ہے۔ تب اس نے اپنے اردلی کے ساتھ پروانہ لکھ کر مجھے واپس بلا لیا۔ جب میں حکم چند کے سامنے پیش ہوا تو مجھے دیکھ کر کہنے لگا غلام حسین! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو مجرم ہے اور بغیر سزا کے میں تجھ کو بالکل نہ چھوڑتا لیکن مجھے تیرے پیر صاحب نے مجبور کر دیا ہے۔ رات خواب میں وہ میرے پاس تشریف لے آئے اور مجھے حکم فرمایا کہ غلام حسین کو چھوڑ دے اور اتنے رعب سے یہ حکم فرمایا کہ میں نے مجبور ہو کر ان کے سامنے کہہ دیا کہ چھوڑ دونگا۔ اس کے بعد میں فوراً بیدار ہو گیا۔ جب اس خواب کا تصور مجھے بند ہوا تو میں نے سوچا کہ میں اس فرمان کی کیسے تعمیل کر سکتا ہوں میں حکم سنا چکا ہوں۔ اب تو یہ بات ناممکن ہے۔ اسی خیال میں میں پھر سو گیا تو آپ پھر تشریف لائے اور نہایت رعب سے فرمایا کہ بے ایمان ہو رہا ہے میں نے جو کہا ہے کہ غلام حسین کو چھوڑ دے میں نے مجبور ہو کر اور مرعوب ہو کر پھر وعدہ کیا کہ چھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد میری نیند پھر کھل گئی اور میں نے سوچا کہ یہ تو بالکل ناممکن ہے کوئی قانون اجازت نہیں دیتا میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ اسی خیال میں پھر میری آنکھ بند ہو گئی۔ دیکھتا ہوں کہ آپ پھر تشریف لے آئے اور ہاتھ میں برچھی ہے مجھے فرمایا کہ تو پھر بے ایمان ہو رہا ہے اگر تو نے میرے فرمان کی تعمیل نہ کی تو اس برچھی سے میں تیرا پیٹ چاک کر دوں گا۔ پھر تو میں سخت مرعوب ہو گیا اور دل سے اقرار کیا کہ جو کچھ بھی ہو سو ہو، غلام حسین کو

ضرور چھوڑ دوں گا۔ اب میں تجھ کو تیرے پیر صاحب سے ڈر کر چھوڑ رہا ہوں ورنہ تجھے ہرگز نہ چھوڑتا۔ اب تو بری ہے۔ جا اور اپنے پیر صاحب کی خدمت میں میری طرف سے بندگی عرض کرنا۔ انتہیٰ

اولیاء راہست قدرت از اللہ   تیر جستہ بازگرداند ز راہ

کا یہی معنی ہے۔

دوسرا قصہ یہ ہے کہ قاضی موصوف نے بیان کیا کہ میرا بھائی غلام نبی افغانستان میں تجارت کے لئے گیا ہوا تھا۔ اس وقت امیر عبدالرحمٰن خان صاحب کا دورِ حکومت تھا جب میرا بھائی واپس ملک آنے کے ارادہ سے شہر کابل میں وارد ہوا تو کسی شبہ کی بنا پر اس کے کاغذات حساب پڑتال کے لئے ضبط کر لئے گئے اور اس کو سرائے والوں کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا اور سرائے والوں کو حکم دیا گیا کہ اس کا خیال رکھیں کہ نکل نہ جاوے۔ کاغذات کی پڑتال کے بعد جو فیصلہ ہوگا عملدرآمد کیا جاویگا۔ میرا بھائی سرائے میں سرائے والوں کی زیر حراست نظر حوالے تھا جب رات کو نہایت غم و پریشانی کی حالت میں سو گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت پیر دستگیر حضرت زینت الاولیا تشریف لے آئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ غلام نبی! تو بہت بڑے کیچڑ میں پھنس گیا ہے مگر آہستہ آہستہ قدم رکھ کر نکل جا۔ میرا بھائی کہتا تھا کہ اس خواب فیض بشارت کے بعد میں فوراً بیدار ہو گیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ آہستہ آہستہ پاؤں رکھ کر نکل جا مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کابل کا ملک ہے۔ دوسرا سرائے والوں کی ذمہ داری ہے میں کیسے جا سکتا ہوں اور کون مجھے جانے دیتا ہے۔ میں انہیں خیالات میں مستغرق بیٹھا تھا کہ اچانک سرائے کے دروازہ پر کسی شخص نے آواز دی کہ کوئی شخص کُرم جانے والا ہے۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا اور آواز کے جواب میں کہا کہ میں کُرم جاتا ہوں۔ اس نے کہا آ جا۔ میرے پاس دو خچریں ہیں۔ ایک پر سامان رکھ دے اور دوسری پر سوار ہو جا۔ میں فوراً اٹھ کر اپنا سامان سنبھالنے اور باہر نکالنے میں لگ گیا۔ سرائے والے سب بیدار ہو گئے۔ میری حالت کو دیکھ رہے ہیں مگر کوئی شخص ان میں سے نہیں کہتا کہ تو کیوں جا رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ سب خاموشی سے دیکھ رہے ہیں۔ میں اپنا سامان اٹھا کر خچروں والے کے پاس لے آیا۔ اس نے ایک خچر پر میرا سامان رکھ دیا اور دوسری پر مجھ کو سوار کر لیا۔ میں نے اس کو کہا کہ آدھی رات کا وقت ہے اور شہر میں جگہ جگہ پر پہرہ دار ہوتے ہیں۔ ہم کو جانے سے روکیں گے۔ اس نے کہا کہ بے خطر ہو جا۔ میں تجھے ایسے راستہ سے لے

جاؤں گا کہ اس راستہ پر کوئی پہرہ دار نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہُوا شہر میں کوئی پہرہ دار ہمارے مزاحم نہ ہُوا شہر سے
نکل کر چپ چاپ روانہ ہوگئے۔ راستہ میں نہ وہ میرے ساتھ بولا اور نہ میں اس کے ساتھ بولا۔ کابل سے کرم کے
راستہ سے سرحد ایک دن میں ختم ہو جاتی ہے جب ہم سرحد عبور کر چکے۔ اس وقت اس شخص نے مجھے کہا کہ اب تو
افغانستان سے نکل چکا ہے۔ اب تجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اب یہاں اتر کر آرام کر۔ میں تیرے لئے کسی آبادی سے
روٹی لے آؤں جب میں روٹی کھا چکا تو وہ شخص مجھے کہنے لگا۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں اپنے لئے کوئی بندوبست
کر لے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی خچریں لے کر واپس چلا گیا اور میں بخیر و عافیت اپنے وطن پہنچ گیا۔ انتہیٰ

راقم آثم کو صحیح روایت سے یہ قصہ پہنچا ہے کہ ایک دفعہ حضرت زینت الاولیاؒ براستہ دریا کشتی پر سوار
ہو کر تونسہ شریف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک دن کشتی جا رہی تھی اور کوئی قوال کچھ گا رہا تھا۔ ایک
مرد صوفی کشتی کے کنارہ پر جس کو ہندی میں گڑھہ کہتے ہیں بیٹھا ہُوا تھا کسی مصرعہ پر اس مرد صوفی کو وجد آ گیا۔ اس
کی زبان سے اللہ نکلا اور جست لگا کر دریا میں غرق ہو گیا۔ حاضرین نے حضرت کی خدمت میں اس واقعہ کو
عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ کشتی کو واپس کرو اور ایسی جگہ سے اس کو جا کر چھوڑو کہ پھر اسی مقام پر آ گزرے۔ تعمیل
فرمان کی گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ قوال وہی شعر کہتا رہے جس پر اس مرد صوفی کو وجد ہوا ہے جب کشتی دوبارہ اسی
مقام پر پہنچی اور قوال وہی شعر گا رہا تھا۔ اس مرد صوفی نے قعر دریا سے لفظ اللہ کہتے ہوئے ایک ایسی جست
لگائی کہ کشتی کے اندر آ گیا۔ سب لوگ حیران ہو گئے کسی نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ مرد صوفی کیسے
زندہ واپس آ گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ایسے لوگ مرتے نہیں زندہ ہوتے ہیں اگر یہ لفظ دوبارہ اس تک نہ
پہنچتا تو اسی جگہ رہ جاتا۔ دوبارہ اس کو وہ لفظ پہنچ گیا تو واپس آ گیا۔ انتہیٰ

راقم آثم نے متعدد آدمیوں سے سنا کہ وہ میاں فضل لانگری لنگر شاہ محمد سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت
کرتے تھے کہ میاں فضل موصوف کہتا تھا کہ ایک دفعہ ایک درویش مجذوب صورت تونسہ شریف میں آیا اور چینی
مسجد سے جو کوچہ مسجد کی طرف آتا ہے اس میں رات دن پڑا رہتا تھا۔ حضرت صاحب حضرت خواجہ اللہ بخش غریب
نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کوچہ سے نماز کے لئے گزر فرماتے تھے تو وہ درویش حضرت کی تعظیم بجا نہیں لاتا تھا۔
جس حالت میں ہوتا اسی حالت میں پڑا رہتا اور حضرت صاحب کا مجھے یہ حکم تھا کہ جب لنگر کے کام سے فارغ ہو کر

گھر جانے لگے تو اس درویش کی روٹی ساتھ لا کر اس جگہ اس کو دے دیا کر۔ حسب الحکم میں فراغت کے بعد درویش کی روٹی لے آتا اور اسی جگہ اسکو دیدیتا۔ ان ایام میں حضرت زینت الاولیاء بھی دوامی چلہ کیلئے تونسہ مقدسہ تشریف فرما تھے۔ ایک رات حسب معمول جب عشاء کے وقت اس درویش کی روٹی لیکر کوچہ معلومہ میں پہنچا تو فقیر موجود نہ تھا۔ میں نے سمجھا کہ چلا گیا ہے۔ جب میں آستانہ مسجد سے گزر کر کھڈی بنگلہ کے سامنے آیا تو دیکھا کہ وہی درویش حضرت زینت الاولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہے اور حضرت کے پاؤں مبارک کو دبا رہا ہے۔ میں نہایت متعجب ہوا کہ یہ شخص تو حضرت صاحب کی پرواہ بھی نہیں کرتا تھا اور ان کے پاؤں دبا رہا ہے۔ میں گھر چلا گیا۔ پھر اس درویش کو وہاں نہ دیکھا۔ راقم آثم عرض کرتا ہے کہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس درویش کو حضرت زینت الاولیاءؒ کے سپرد کیا گیا اور حضرت سے فیض حاصل کر کے واپس چلا گیا۔ انتہیٰ

صاحب تذکرۃ المحبوب اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دن میرے خیال میں یہ وسوسہ گزرا کہ میاں صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت زینت الاولیاءؒ بلکہ حضرت مولٰنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کمالات میں فائق ہیں۔ جب میں اسی خطرہ کو دل میں لئے ہوئے حضرت کی خدمت میں بوقت چاشت سایہ باراں دری میں حاضر ہوا۔ حضرت نے یہ حکایت شروع فرما دی۔ شاید حضرت نے ملتان کا نام لیا کہ شہر ملتان میں ایک شخص نے حضرت مولٰنا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مصرعہ پر اعتراض کیا ؎

یک بار میرد ہر کسے ایں بے چارہ جامی بارہا

کہ یہ غلط ہے ہر کوئی ایک دفعہ مرتا ہے۔ بارہا مرنا کیسے ہو سکتا ہے۔ اتفاقاً انہی ایام میں ایک مرد درویش صورت اس مرد معترض کی مسجد کے دروازہ پر دھواں دکھا کر بیٹھ گیا۔ نماز باجماعت ادا کر کے پھر دھواں پر بیٹھ جاتا۔ کسی سے کچھ تعلق نہ رکھتا۔ چند دن اسی حالت پر گزر گئے۔ ایک دن وہ مرد معترض نماز تہجد کے لئے گھر سے نکل کر مسجد کے دروازہ پر پہنچا۔ دیکھا کہ وہ مرد فقیر ٹکڑے ٹکڑے اندام اندام علیحدہ ہو کر دھواں کے اردگرد پڑا ہے۔ اس مرد معترض نے خیال کیا کہ شاید کوئی بدمعاش اس بیچارہ کو قتل کر کے اس حالت میں ڈال گیا ہے۔ اور اس ارادہ سے واپس ہوا کہ اس کے سنبھالنے کے لئے کسی کو بلا لاؤں۔ جب آدمیوں کو بلا کر اس مقام پر پہنچا دیکھا کہ وہ مرد فقیر اپنے دھواں پر صحیح و سالم بیٹھا ہے۔ نہایت حیران ہوا اور مسجد میں جا کر نماز میں مشغول ہو گیا اور وہ مرد فقیر اسی وقت اٹھ کر کسی جانب روانہ ہو گیا۔ جب وہ مرد معترض نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلا

تو فقیر کو اپنی جگہ پر نہ پاکر چند آدمیوں کو لے کر اس کے پیچھے روانہ ہوا شہر سے باہر کسی جگہ اس کو پالیا۔ اس کے پاس جاکر اس سے پوچھا کہ تو کون ہے۔ اس مرد فقیر نے کہا کہ میں حضرت مولٰنا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ادنیٰ خادم ہوں میرا نام عبدالغفور ہے اور یہ بار بار مرنے کا مرتبہ تو مجھے بھی حاصل ہے اور مولٰنا رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ تو بہت فائق و برتر ہے وہ مرد معترض نادم ہو کر مولٰنا عبدالغفور کے پاؤں پر گرا اور عفوِ تقصیر کی درخواست کی۔ شاید حضرت نے فرمایا کہ مولٰنا عبدالغفور نے اس کو معاف فرمادیا چونکہ مولٰنا عبدالغفور کے کپڑے حجرہ کے تھے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ اگر آپ میرے ساتھ واپس تشریف لے چلیں تو آپ کے لئے سوتی کپڑے تیار کرادوں۔ مولٰنا نے فرمایا کہ یہ حجرہ والے کپڑے چور نہیں لے جاتے۔ یہ مجھے پسند خاطر ہیں۔ انتہیٰ۔ القصہ صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ حضرت نے میرے خطرہ کے جواب میں یہ قصہ ارشاد فرمایا ہے۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ اسی مجلس میں حضرت نے دوسرا قصہ بیان فرمایا میں نہ سمجھ سکا کہ یہ قصہ کس شخص کے خطرہ کا جواب ہے جیسا کہ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ روئے سخن کسی اور شخص کی طرف فرماکر حاضرین میں سے کسی کے خطرہ کی اصلاح فرماتے تھے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت بابا فریدالدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ سے کسی طرف جانے کی اجازت مانگی۔ حضرت نے اس کو ایک راستہ سے منع فرمایا کہ فلانے راستہ پر نہ جانا۔ وہ شخص اسی ممنوع راستہ پر روانہ ہوگیا۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کیا اور چند درہم جو اس کے پاس تھے اس سے چھین لئے۔ وہ شخص پریشان و حیران روانہ ہوا اچانک دیکھتا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ اس کے سامنے راستہ پر تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں "ماشاء اللہ" پھر ریت میں تھوڑی جگہ خالی کرکے اپنی پہلی انگلی مبارک وہاں رکھ کر زبان مبارک سے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ جتنے سنگریزے وہاں تھے سب درہم ہوگئے۔ حضرت نے اس شخص کو فرمایا کہ تیرے جتنے درہم چوروں نے لئے ہیں اتنے اٹھالے اور چلا جا۔ اس شخص نے حضرت کے سامنے اپنے زیان کے مطابق درہم اٹھالئے اور روانہ ہوا۔ حضرت بھی دوسری طرف تشریف لے گئے۔ اس شخص نے جب دیکھا کہ حضرت اب نظر سے غائب ہوگئے ہیں۔ اس جگہ پر واپس اس ارادہ سے پہنچا کہ اور دراہم بھی اٹھالوں دیکھا کہ سب سنگریزے ہیں۔ اب جس طرح حضرت بابا صاحبؒ نے کیا تھا اسی طرح انگلی رکھ کر قل ھو اللہ احد پڑھنا شروع کیا مگر کوئی اثر نہ ہوا

اچانک کوئی شخص وہاں سے گزرا اور اس کو اس کام میں دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ اس نے ماجرا بیان کیا۔ اس شخص نے کہا کہ تیرے پڑھنے سے سنگریزے درہم نہیں بن سکتے۔ اس نے کہا کہ وجہ کیا ہے۔ میں بھی وہی کلام ربانی پڑھ رہا ہوں جو حضرت نے پڑھی۔ اس شخص نے کہا کلام تو بیشک ربانی ہے مگر زبان فریدانی کہاں سے لاوے گا۔ انتہی

ان حکایات سے چند فائدے حاصل ہوتے۔ ایک فائدہ یہ کہ سالک کو لازم ہے کہ اپنے شیخ سے کسی کو مراتب میں زیادہ نہ سمجھے۔ اس سے اس کے اعتقاد میں نقص آجاتا ہے اور اس نقص اعتقاد سے بہت آفات آجاتی ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ کہ اپنے شیخ کے فرمان پر کاربند ہو۔ اگرچہ ظاہر سے مخالف ہو ؎

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید　　　که سالک بیخبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

تیسرا فائدہ یہ کہ اپنے قول و فعل کو مشائخ عظام کے قول و فعل پر قیاس نہ کرے۔ مثنوی ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ظاہرش ماند بظاہرہا و لیک　　　قرص ناں از قرص مہ دور است نیک

گریہ او و خندہ او و نطق او　　　فہم او و حلق او و خُلق او

عقل او و وہم او و حس او　　　نیست از وے ہست محض از صنع ہو

راقم آثم کو حاجی غلام حسین پراچہ اسحاق خیل نے ذکر کیا کہ حافظ محمد قاسم پراچہ نے جو کہ حضرت کا غلام تھا اور نہایت نیکبخت آدمی تھا حضرت کے وصال کے دن جب نماز جنازہ پڑھی جا چکی تو علی الاعلان کہا کہ جس سال میں حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ پہنچا تو حضرت کو میں نے ارکان حج ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ حضرت شہر مکھڈ میں مقیم تھے اور حضرت نے مجھے فرمایا کہ خبردار میری ظاہری زندگی میں اس بات کو کسی کے سامنے ذکر نہ کرنا ورنہ تیری خیر نہ ہوگی میں نے حضرت کے فرمان اور خوف سے ابھی تک کسی کے سامنے ذکر نہ کیا۔ اب ذکر کر رہا ہوں۔ انتہی

راقم آثم نے شیخ عبداللہ خادم حضرت پیر و مرشدم سے سنا کہ مولوی سلطان محمود صاحب ساکن بندیال عرف نامی صاحب جو کہ حضرت زینت الاولیاءؒ کے خاص غلاموں سے تھے۔ ایک دفعہ جب مکھڈ تشریف لائے تو نماز عشاء کے بعد میرے حجرہ میں تشریف لاتے اور فرمایا کہ میں تجھ سے بطور مشورہ ایک بات پوچھتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ فرماؤ فرمانے لگے کہ ایک سال حضرت کے زمانہ میں میں نے بھینس خریدی۔ چونکہ میرے گھر میں گھی رکھنے کا برتن نہیں تھا

ایک ہندو سے چڑے کا کپّا عاریت کے طور پر لیا کہ گھی فروخت کر کے کپّا خالی واپس کر دیں گے۔ ہندو نے کہا کہ اگر کپا سالم ہوا تو واپس لے لوں گا ورنہ اس کی رقم لوں گا۔ اس کی رقم سولہ روپیہ تھی میں نے یہ شرط منظور کر لی۔ اتفاقاً جب گھی اس میں ڈالا گیا تو طلبا کو میں نے کہا کہ اس کپہ کو یہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دو۔ ان کی بے احتیاطی سے رکھتے وقت چوٹ لگی اور کپا ٹیڑھا ہو گیا۔ ہندو کو اس بات کا پتہ لگ گیا اور اس نے رقم کا مطالبہ شروع کر دیا مجھے رقم کا دینا بہت بوجھل معلوم ہوا۔ مجھے اور کوئی صورت نظر نہ آئی میں گھر سے روانہ ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے پوچھا کہ مولوی صاحب آپ اس موقع پر کیسے آ گئے۔ میں نے اپنا ماجرا عرض کیا حضرت سن کر خاموشی فرما گئے۔ کچھ وقت کے بعد حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب گھر جاؤ۔ طلبا کے اسباق ضائع ہو رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ حسب حاجت کے لئے میں حاضر ہوا ہوں۔ اس کے متعلق حضرت نے کوئی ارشاد نہیں فرمایا۔ یہ سن کر حضرت خاموشی فرما گئے۔ اسی طرح چند دفعہ حضرت نے یہی ارشاد فرمایا اور میں نے یہی جواب عرض کیا اور حضرت نے خاموشی فرمائی۔ آخر چند دفعہ کے بعد حضرت نے فرمایا کہ کپہ کو چھت کے ساتھ لٹکا دو۔ میں اسی وقت قدم بوسی کر کے رخصت ہوا اور گھر پہنچ کر حسب فرمان کپہ کو چھت کے ساتھ لٹکا دیا۔ اس کے بعد ہندو نے رقم کا مطالبہ بند کر دیا۔ اس نے کبھی یاد بھی نہ کیا کہ میرا کپہ تھا یا میں نے رقم لینی ہے چنانچہ وہ کپہ ہمارے گھر میں ابھی تک لٹکا ہوا ہے۔ اب وہ ہندو مر گیا ہے۔ اب میں یہ مشورہ تجھ سے کرتا ہوں کہ اب وہ کپہ لٹکا رہے یا اتار لیں۔ شیخ صاحب مذکور کہتے تھے کہ میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ آپ خود نہ اتاریں۔ اگر خود بخود گر جاوے تو خیر ہے انتہیٰ

راقم آثم نے ایک ثقہ آدمی سے سنا اس نے ذکر کیا کہ ایک سال ہم حضرت کے ہم رکاب تونسہ مقدسہ عرس شریف پر حاضر ہوئے۔ جب عرس شریف ختم ہو گیا تو ہم نے جو چند رفقاء نوجوان تھے حضرت سے واپس ہونے کی اجازت مانگی۔ حضرت نے ہمیں اجازت فرمائی اور فرمایا کہ تم دن میں سات کوس مسافت طے کرو گے ہم نے دل میں کہا کہ ہم سب جوان اور قوی ہیں۔ روزانہ پندرہ بیس کوس مسافت کریں گے مگر حضرت کے روبرو ادب سے کچھ نہ کہہ سکے القصہ ہم تونسہ شریفہ سے روانہ ہوئے ہم بڑی کوشش اور تیزی سے چلے تاکہ کافی مسافت قطع کر لیں جب شام کسی گاؤں میں پہنچے اور پوچھا کہ یہاں سے تونسہ شریف کتنے کوس ہے جواب ملا کہ سات کوس۔ دوسرے روز ہم بہت سویرے اٹھ کر روانہ ہوئے اور بہت کوشش اور تیزی سے چلے جب شام کسی مقام پر پہنچکر مسافت کے متعلق

سوال کیا تو جواب ملا وہی سات کوس تب ہمیں یقین ہوگیا کہ حضرت کے فرمان کی وجہ سے ہم سات کوس سے زائد مسافت نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد ہم نے وہ تیز رفتاری اور سویرے چلنا ختم کر دیا۔ دیر سے اور آہستہ آہستہ چلتے جب کسی مقام پر پہنچتے تو سات کوس ہو جاتے۔ اس طریقہ سے ہم مسافت طے کر کے گھر پہنچے۔ انتہیٰ۔

راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد والد بزرگوار کی زبان مبارک سے سنا کہ فقیر فاضل شاہ صاحب ساکن گڑھی جو کہ عالم اور عامل بے بدل تھے اور حضرت خواجہ خواجگان حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلفاء سے تھے ان کی آمد و رفت مکھڈ میں بہت ہوتی تھی۔ ایک دفعہ فقیر صاحب تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت کے حکم سے زیارت شریف پر طویلہ مہمانوں کے جانوروں کے لئے تعمیر کیا گیا جس پر خان مکھڈ غلام محمد خاں نے مخالفت کی اور اس کے اکھڑوا دینے کی تجاویز سوچنے لگا۔ اتفاق سے ان دنوں مکھڈ میں چوتھیا بخار کثرت سے تھا اور لوگ فقیر صاحب کی خدمت میں تعویذ لینے کے لئے آتے۔ جب خان مکھڈ نے یہ حرکت کی تو فقیر صاحب نے چوتھیا بخار کا یہ تعویذ لکھنا شروع کر دیا غلام خان حضرت کا نام نہ لکھتے اور فرماتے کہ اس تعویذ پر چوتے لگاؤ۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اس شخص سے بخار اتر جاتا اور خان مکھڈ کو بخار ہو جاتا۔ اسی طرح کتنی کتنی دفعہ اس کو بخار چڑھتا۔ پہلے چند دن اس کو پتہ نہ لگا۔ اخیر اس کو پتہ لگ گیا کہ یہ فقیر صاحب مہربانی فرما رہے ہیں۔ اس نے کثرت بخار سے تنگ آکر اپنے لڑکے فقیر محمد خاں کو حضرت کی خدمت میں بھیجا اور اپنے قصور سے معافی چاہی اور عرض کی کہ خان کثرت بخار سے تنگ آگیا ہے اس کے حال پر رحم فرماویں۔ حضرت کو اس کے حال پر رحم آگیا اور زبان مبارک سے اتنا فرمایا کہ اب کچھ نہ ہوگا۔ اس فرمان کا یہ اثر ہوا کہ فقیر صاحب کے عمل کا اثر زائل ہو گیا۔ اس کے بعد فقیر صاحب نے حسب دستور اس تعویذ پر چوتے لگوائے لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ انتہیٰ۔

راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد والد بزرگوار کی زبان مبارک سے سنا کہ ایک دفعہ فقیر صاحب موصوف کالاباغ تشریف لے گئے اور کسی وجہ سے ملک کالاباغ پر ناراض ہو گئے اور اس کو فرمایا کہ میں چھوٹے لڑکوں سے دعائے سریانی پڑھوا کر تیری بیخ اکھاڑ دوں گا۔ چنانچہ فقیر صاحب نے یہ عمل شروع کر دیا چھوٹے لڑکوں کو تازہ غسل کرا کے ان سے دعائے سریانی شریف پڑھانی شروع کرا دی۔ ملک کالاباغ کو فقیر صاحب کے عامل کامل ہونے کا علم تھا سخت پریشان اور مرعوب ہو گیا۔ اس کو کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی۔ اس کو پتہ لگا کہ حضرت زینت الاولیاء تونسہ مقدسہ سے واپس تشریف لا رہے ہیں اور کمر مشانی پہنچ گئے۔ وہ دوڑتا ہوا کمر مشانی حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور فقیر

صاحب اور اپنا ماجرا بیان کیا۔ پہلے تو حضرت ملک صاحب پر ناراض ہوئے کہ تم دنیا دار فقرا کو حقارت سے دیکھتے ہو اور ان کی توہین کرتے ہو تم نے فقیر صاحب کو کیوں ناراض کیا ہے۔ آخر ملک صاحب کی عجز و نیاز پر حضرت کو رحم آ گیا حضور نے فرمایا کہ اچھا کچھ نہیں ہو گا۔ حضرت کے اس فرمان سے ملک صاحب کو اطمینان کامل ہو گیا۔ جب حضرت کا لا باغ رونق افروز ہوئے اور فقیر صاحب ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو فرمانے لگے غریب نواز! آپ نے ہمارا کیا ہوا سب کام بگاڑ دیا۔ اگر آپ دخل نہ دیتے تو میں ملک کے ساتھ وہ کام کرتا کہ اس کو پتہ لگ جاتا۔ آپ ہم کو کچھ کرنے نہیں دیتے۔ انتہیٰ۔

راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد والد بزرگوار کی زبان مبارک سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ میں ایک رات حضرت کے پاؤں مبارک دبا رہا تھا اور حضرت استراحت فرماتے ہوئے تھے۔ اچانک میرے دل میں ایک خطرہ آ گیا کہ حضرت اب بہت ضعیف و نحیف ہو گئے ہیں اور موت کا جام بھی ناگزیر ہے۔ امید کہ حضرت اپنا جانشین استاذ قریشی صاحب کو منتخب فرمائینگے معلوم ہو کہ استاذ قریشی صاحب موضع تراپ کے باشندہ ہے اور حضرت کے خواص غلاماں میں سے تھے اور حضرت کے امام بھی تھے۔ حضرت نے میرے اس خطرہ سے مطلع ہو کر اپنا سر مبارک اٹھا کر اور میرے کان کے قریب لا کر فرمایا کہ (سور اتھینا ہے قریشی) انتہیٰ۔

راقم آثم نے معتبر واسطہ سے سنا ہے کہ ایک شیخ یعنی ہندو نو مسلم حضرت کی غلامی میں داخل ہو کر زیارت شریف پر مقیم تھا اور وہ کیمیا کا کوئی نسخہ جانتا تھا جسے وہ ضرورت کے لئے کام میں لاتا اور اپنے اس کام کو سخت مخفی رکھا ہوا تھا۔ ایک دن وہ شیخ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر تھا کہ کیمیا سازی کے متعلق ذکر شروع ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ کام اچھا نہیں چند عرصہ کے بعد اکسیر کا اثر زائل ہو کر وہ دھات جس کو سونا بنایا جاتا ہے۔ اپنی اصلی حقیقت اور صورت پر آ جاتی ہے۔ لہٰذا اس کام میں دھوکہ بازی ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ شیخ صاحب نے دل میں خیال کیا کہ میرے متعلق تو کسی کو علم نہیں۔ حضرت نے ویسے ذکر فرما دیا ہے میری جانب اشارہ نہیں فرمایا۔ چند دن کے بعد پھر اسی طرح ذکر ہوا اور حضرت نے وہی کلمات فرمائے اور شیخ صاحب بھی اپنی خیال پر مستحکم رہا اور کام بدستور کرتا رہا۔ تیسری دفعہ پھر جب کیمیا گری کا ذکر ہوا تو حضرت نے وہی کلمات فرما کر شیخ صاحب کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ شیخ صاحب! آپ تو یہ کام نہیں کرتے۔ شیخ صاحب نے عرض کیا کہ غریب نواز! میں تو یہ کام نہیں کرتا۔ حضرت نے فرمایا کہ نہ کیا کریں

یہ کام اچھا نہیں۔ اس کے بعد شیخ صاحب نے جب اس اکسیر کو استعمال کرنا چاہا تو اس نے بالکل کوئی کام نہ کیا۔ شیخ صاحب کو خیال ہوا کہ شاید دوا پرانی ہوگئی ہے نئی دوا تیار کی مگر اس نے بھی کچھ ذرا بھر بھی اثر نہ کیا۔ تب شیخ صاحب کو یقین واثق ہوگیا کہ حضرت کے فرمان کے اثر سے یہ دوا بالکل بے اثر ہوگیا ہے۔ تب تو شیخ صاحب کو بہت پریشانی لاحق ہوگئی کہ میری مزید زندگی کا دار و مدار اسی نسخہ پر تھا۔ اب میں کیسے وقت گذاروں گا۔ اسی پریشانی میں جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے فرمایا کہ شیخ صاحب آپ طبابت کا کام کیا کریں اور کسی جگہ کسی شخص کے پاس کوئی عمدہ نسخہ تھا۔ اس کے حاصل کرنے کے لیے حضرت نے شیخ صاحب کو سفارشی سرافرازنامہ کے ہمراہ روانہ کیا۔ وہ نسخہ شیخ صاحب حاصل کر آئے۔ اس کے بعد شیخ صاحب نے طبابت شروع کر دی۔ حضرت کا ان کے حال پر یہ کرم تھا کہ جس مریض پر شیخ صاحب پہنچ جاتے اللہ تعالیٰ ضرور اس کو شفا عطا کر دیتا اور اگر کسی کی موت مقدر ہوتی تو شیخ صاحب اس مریض پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت زینت الاولیاء کے ہمرکاب براستہ کشتی تونسہ شریف روانہ ہوا گرمی کا موسم تھا۔ دریا جوش میں تھا اور میں نے کبھی یہ سفر نہیں کیا تھا میرے دل پر بہت خوف طاری ہوا اور دل میں یہ خطرہ بار بار ہجوم کرتا کہ حضرت اس سفر دریا کو ترک فرما دیتے تو کیسا بہتر ہوتا۔ حضرت نے میرے خطرہ پر مطلع ہو کر یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب عرس حضرت قبلہ عالم غریب نواز رضی اللہ عنہ کے لئے گھر سے روانہ ہوئے۔ گرمی کا موسم تھا اور دریاؤں میں جوش تھا کسی دریا سے گذرتے وقت کشتی گرداب اور تکلیف میں آگئی۔ کنارہ پر جو لوگ دیکھ رہے تھے ان کو یقین ہوگیا کہ یہ کشتی ضرور غرق ہو جاوے گی سالم کنارہ پر نہیں پہنچ سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح و سالم کنارہ پر کشتی لگ گئی سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کشتی کا قصہ مشہور ہوگیا۔ جو سنتا حیران ہو جاتا۔ جب حضرت صاحب جہاں تشریف لے گئے تو سب رؤسا نے جمع ہو کر حضرت سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ آپ حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کریں کہ اس موسم گرما میں آپ یہ سفر اختیار نہ فرماویں کہ اس موسم میں دریا کا خوف حد سے زیادہ ہے ان کی درخواست پر سجادہ نشین صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت صاحب اس خبر کو سن کر جلال میں آگئے اور فرمایا کہ اے صاحبزادہ سن۔ یہ تو پانی کا دریا ہے۔ اگر آگ کے دریا بھی راستہ میں حائل ہوں تو ان سے گزر کر اپنے آپ کو حضرت قبلہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس پر پہنچاؤں گا۔ تیرے دل میں کیا خیال ہے۔ یہ سن کر سب خاموش ہو گئے انتہیٰ۔

آٹھواں ذکر

حضرت زینت الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملفوظات میں

یہ ذکر چند قسموں پر منقسم ہے۔ قسم اوّل حضرت کے ملفوظات متعلق کرامات حضرت خواجہ خواجگان حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ حضرت زینت الاولیاءؒ کی زبان مبارک سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ ایک سال تونسہ شریف کے علاقہ میں ٹڈی جس کو ٹوکہ بھی کہتے ہیں اس نے فصلات کا نقصان شروع کر دیا۔ علاقہ کے لوگوں نے حضرت صاحب کی خدمت میں شکایت پیش کی اور طالب امداد ہوئے۔ حضرت صاحب نے ایک شخص کو فرمایا کہ ایک ٹڈی کو پکڑ کر اپنے منہ کے قریب لاکر میری جانب سے اس کو کہہ دے کہ فلاں تجھ کو یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے گھاس پیدا کیا ہے تمہیں چاہیئے کہ فصلات کو چھوڑ دو اور گھاس پر گذارہ کرو ورنہ تمہارے ساتھ وہ کیا جاویگا کہ تمہیں پتہ لگ جاوے گا۔ اس شخص نے حسب الحکم حضرت صاحب کا یہ فرمان ٹڈی کو پہنچا دیا۔ اس کے بعد سب لوگوں نے حضرت صاحب کے آگے بیان کیا کہ ٹڈی نے فصلات کا کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اچھا ہوا۔ انتہی۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ حضرت زینت الاولیاءؒ کی زبان مبارک سے اسی طرح سنا کہ ایک دفعہ بندش باراں کے سبب مخلوقات تنگ آگئی۔ حضرت صاحب کی خدمت مبارک میں کئی دفعہ لوگوں نے عرض کی مگر حضرت صاحب نے کوئی توجہ نہ فرمائی آخر الامر لوگوں نے مائی عزت کو جو کہ حضرت صاحب کے دولت سرائے میں خادمہ تھی، عرض کی کہ کسی حیلہ سے حضرت صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کرو۔ مائی عزت حضرت صاحب کے لئے روزانہ دودھ لاتی تھی۔ اس نے یہ حیلہ سوچا کہ جب دودھ لے کر حاضر ہوئی تو دودھ ہمیشہ کے اندازہ سے کم تھا۔ حضرت صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ دودھ کیوں کم ہے۔ مائی عزت نے عرض کی کہ یا قبلہ بارش کی بندش کی وجہ سے چار پائے بہت لاغر ہو گئے ان کا دودھ خشک ہو گیا ہے۔ دودھ نہیں دیتے۔ حضرت صاحب خاموشی فرما گئے۔ دوسرے دن اگلے دن سے بھی دودھ کم کر کے لائی پھر حضرت صاحب نے کمی دودھ کا سبب پوچھا۔ مائی عزت نے مواشی کی ہلاکت اور قحط سالی کا خوب نقشہ کھینچا۔ حضرت صاحب نے مائی عزت کو گردن سے پکڑ کر اس کے سر کو تین دفعہ زمین پر خوب ٹکرایا اور چھوڑ دیا

وہ بے چاری دوڑتی دولت سرائے میں داخل ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد حضرت صاحب نے محمد اکرم کو جو کہ حضرت صاحب کا خادم خاص تھا۔ فرمایا کہ باہر نکل کر آسمان کو دیکھ۔ کسی طرف کوئی بدلی نظر آتی ہے یا نہ۔ محمد اکرم نے باہر دیکھ کر واپس آکر عرض کی کہ آسمان بالکل صاف ہے کوئی بدلی کسی طرف بھی نظر نہیں آتی۔ اس وقت حضرت صاحب نے فرمایا "یارو! مکر ان رن دیاں منظور ہو گئیاں ہن۔ ایسے کدے بارش ہوسی" تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے پھر محمد اکرم کو فرمایا کہ آسمان کو دیکھ۔ اس دفعہ اس نے واپس آکر عرض کی کہ دور سے ایک بدلی چمکتی نظر آرہی ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ وہی بدلی آکر برسے گی اور فرمایا کہ میری چارپائی اندر کر دو کہ بھیگ نہ جاوے۔ چارپائی اندر لے جانے کی دیر میں ابر ہوا اور تھوڑی تھوڑی بارش شروع ہو گئی۔ پھر تو ایسی زور کی بارش شروع ہوئی کہ الاماں! لوگوں کو مکانات کے گر جانے کا خوف پیدا ہو گیا۔ پھر لوگ بارش کے بند ہو جانے کی التماس سے کر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اس رن کو کہو کہ جہان کو کیوں غرق کرتی ہے بارش کو بند کیوں نہیں کرتی۔ ایک شخص مائی عزت کی طرف گیا۔ ادھر سے حضرت صاحب کے اہل پردہ نے مائی عزت کو حضرت صاحب کی خدمت میں روانہ کیا کہ بارش کی بندش کے متعلق حضرت صاحب کی خدمت میں جا کر عرض کرے۔ راستہ میں وہ شخص اس کو ملا اور حضرت صاحب کا فرمان اس کو سنایا۔ مائی عزت حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت صاحب نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ "اور رن! جہان کو کیوں غرق کرتی ہے بارش کو بند کیوں نہیں کرتی"۔ اس نے عرض کی یا قبلہ دعا فرماؤ کہ بارش کو میں بند کر دوں۔ حضرت صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ مبارک اٹھائے اسی وقت بارش بند ہو گئی۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ حضرت زینت الاولیاء کی زبان مبارک سے سنا کہ سکھوں کی حکومت میں ایک شخص نے تونسہ مقدسہ میں اذان کہی سکھوں نے اس کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا۔ اس کا بھائی حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوا کہ اذان کہنے کی وجہ سے میرے بھائی کو سکھوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ حضرت صاحب نے اس کو کوئی وظیفہ بتا کر فرمایا کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر اپنے بھائی کی طرف بے خوف و خطر چلا جا اور اس کے پاؤں سے قید کھول کر اس کو اپنے ساتھ لے آ۔ وہ شخص حسب حکم روانہ ہوا۔ جب قید خانہ کے قریب پہنچا تو اس وقت ایسی تیز ہوا اور غبار و آندھی آگئی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ شخص اس اندھیاری میں قید خانہ کے اندر داخل ہو گیا کسی پہرہ دار نے اس کو نہ دیکھا۔ جب بھائی کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ میں تو قید تھا تو یہاں خود بخود قید میں کیوں آگیا ہے۔ اس نے کہا

کہ مجھے حضرت صاحب نے تیری رہائی کے لئے بھیجا ہے۔ قیدی نے کہا کہ دیر نہ کر جلدی میری قید کو کھول۔ دونوں بھائی اسی اندھیاری میں قید خانہ سے صحیح وسالم نکل کر تونسہ شریف حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔ رہا کرنے والے بھائی نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ میرے بھائی کو کہیں چھپاؤ۔ مبادا اس کو سکھ پھر گرفتار کر لیویں۔ حضرت صاحب نے جوش میں آکر فرمایا کہ اس نے اوان کسی ہے زنا تو نہیں کیا کہ اس کو تو چھپاتا ہے۔ آخر الامر اس کو کسی نے بھی نہ پوچھا۔ انتہیٰ

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زینت الاولیاء کی زبانِ مبارک سے سنا کہ ایک دن حضرت صاحب ہمارے میاں صاحب کی بارہ دری میں جو کہ تونسہ مقدسہ میں نئی تیار ہوئی تھی تشریف لائے اور ہم جماعت طلبا بارہ دری کی چھت کے لئے کیچڑ بنانے کی تیاری کر رہے تھے اچانک اس وقت ایک شخص حاضر ہوا جو کہ بہت عرصہ سے حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں سوال کر رہا تھا کہ چھہ والی زمین مجھے دلاؤ۔ حضرت صاحب نے اس کو فرمایا کہ اگر چھہ والی زمین لیتا ہے تو ایک سو گھڑا پانی کا کنوئیں سے پُر کر کے یہاں لے آ۔ وہ شخص بموجب فرمان واجب الاذعان کمر ہمت باندھ کر پانی لانے پر شروع ہو گیا۔ ابھی سو گھڑا پورا نہ ہوا تھا کہ ہمارا کیچڑ تیار ہو گیا باقی پانی کے گھڑے اس شخص نے طلباء کے حجروں میں رکھ دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور حضرت صاحب کی کرامت سے وہ زمین اس کو عطا کر دی انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ کی زبانِ مبارک سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمارے حضرت صاحب ہمارے میاں صاحب کی بارہ دری میں رونق افروز تھے کہ اچانک بہت سی عورتوں نے جنہوں نے سر سے کپڑا اتارا ہوا تھا بارہ دری کے سب دروازوں سے داخل ہو کر شور و واویلا مچا دیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ یہ کیا شور و غوغا ہے؟ کسی نے عرض کی کہ فلاں قریشی جو کہ بہاول خان کے ملازم ہیں انہوں نے ان کے شوہروں کو اور لڑکوں کو اور ان کے سب خویش واقرباء کو قید کر لیا ہے اور ان کی زمین مزروعہ کو زور و ظلم سے اپنے نام تحریر کراتے ہیں اور اپنی ملکیت میں لاتے ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ اس تحریر پر علما اور رؤسا کے دستخط اور مہریں ثبت کرا دیں۔ یہ عورتیں حضور کی خدمت اقدس میں اس ظلم و تعدی سے داد خواہی کے لئے حاضر ہوئی ہیں۔ حضرت صاحب کو ان کے حالِ زار پر رحم آیا اور ان کو تسلی فرما کر ان کو واپس رخصت فرمایا۔ پس ان قریشیوں میں سے کسی شخص نے وہ تحریر بہاول خان والی ریاست کی خدمت میں مہر

لگانے کے لئے پیش کی۔ بہادل خاں نے کہا کہ اگر حضرت صاحب اپنی مہر مبارک سے اس کاغذ کو زینت بخشیں۔ تب میں اپنی مہر لگاؤں گا ورنہ نہیں۔ پس مجبوراً وہ بدبخت کاغذ لئے ہوئے حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ چونکہ حضرت صاحب کو ان کی ظلم و تعدی کا علم تھا وہ کاغذ لے کر فرمایا کہ میں اپنی مہر اس پر نہیں لگاتا اور ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ جب وہ بدبخت مہر لگانے سے مایوس ہوا۔ اس نے عرض کی کہ حضور کاغذ واپس فرما دیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ کاغذ بھی تجھے واپس نہیں ملتا۔ اس وقت حضرت صاحب کو سخت غضب و جلال آگیا۔ وہ شخص مایوس ہو کر واپس چلا گیا حضرت زینت الاولیاءؒ نے فرمایا کہ ہمارے میاں صاحبؒ نے جب حضرت صاحب کا وہ غضب و جلال مشاہدہ فرمایا حضرت صاحب کی تشریف لے جانے کے بعد فرمانے لگے کہ حضرت صاحب کا قہر و جلال قریشیوں پر نہایت کو پہنچ گیا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ظاہر ہوتا ہے۔ انہی ایام میں ہمارے میاں صاحب کی روانگی جانب ملکھڈ ہو گئی۔ اثنائے راہ میں کسی جگہ رات کے وقت جب کہ درمیان رات میں مجھے نیند سے بیداری ہوئی تو میاں صاحبؒ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا کہ تو نے کوئی خبر سنی ہے میں نے عرض کی کہ کون سی خبر۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ خبر آئی ہے کہ وہ قریشی جو حضرت صاحب کے مورد غضب و قہر ہوئے تھے۔ بہادل خان نے ان سب کو قتل کر دیا ہے مگر ایک بچہ ان کا کسی گھر میں چھپا ہوا رہ گیا ہے اور فرمایا کہ حضرت صاحب کے قہر و غضب کا ثمرہ ظاہر ہو گیا۔ حضرت زینت الاولیاءؒ نے فرمایا کہ ہمارے میاں صاحب کو یہ خبر کسی قاصد کے ذریعہ سے نہیں ملی تھی بلکہ اپنے مکاشفہ سے حضرت مولناؒ کو یہ خبر معلوم ہو گئی تھی۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ راقم آثم کے پیرو مرشد کی وساطت سے حضرت زینت الاولیاءؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک دن تونسہ مقدسہ میں ہمارے میاں صاحب صحن بارہ دری میں تعلیم و تدریس طلباء میں مشغول تھے کہ ایک مسافر حاضر ہوا ہم نے اس سے حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں تخت ہزارہ سے حضرت صاحب کی زیارت کے لئے آیا ہوں میں نے حضرت صاحب کی قدم بوسی کی اور ایک روپیہ نذرانہ بھی پیش کیا لیکن حضرت صاحب نے بسبب کمال استغناء کے مجھ مسکین کے حال پر کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ حضرت زینت الاولیاءؒ نے فرمایا کہ میں اس شخص کو اپنے میاں صاحب کی خدمت میں لے گیا اور اس کا حال عرض کیا۔ میاں صاحب نے مجھے فرمایا کہ شام کی نماز کے بعد جب کہ حضرت صاحب کی خلوت نشینی کا وقت ہوتا ہے۔ اس کو اپنے ہمراہ لے جا کر حضور میں اس ذات قدسی صفات کی بے التفاتی

کے متعلق عرض کر لیکن نذرانہ کے متعلق بالکل ذکر نہ کرنا مبادا حال دگرگوں ہو جاوے۔ حضرت زینت الاولیاؒ نے فرمایا کہ حسب الحکم شام کی نماز کے بعد اس شخص کو ہمراہ لے کر میں حضرت صاحب کے بنگلہ شریفہ کے پاس حاضر ہوا چونکہ روشنی نہ ہونے کی وجہ سے اندر بنگلہ شریفہ میں اندھیرا تھا ہم باہر کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا کون ہے۔ میں نے اپنا نام عرض کیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا گنجو ہے (حضرت صاحب بسبب کمال شفقت کے کبھی کبھی مجھے اس نام سے یاد فرماتے تھے) اور حضرت صاحب نے اندر بنگلہ شریفہ میں آنے کی اجازت بخشی۔ اندر حاضر ہو کر اس شخص کا سارا حال حسب ارشاد اپنے میاں صاحب کے عرض کیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ چونکہ خلقت بہت ہوتی ہے۔ اس بنا پر اس شخص پر التفات نہیں ہو سکی۔ پھر اس شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تخت ہزارہ سے آیا ہے اس نے عرض کی کہ جی ہاں۔ پھر حضرت صاحب نے ازراہِ شفقت فرمایا کہ رانجھا کو تو نے دیکھا ہے اس نے عرض کی کہ نہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ تو نے اس کو دیکھا ہے۔ اس نے پھر عرض کی کہ میں نے نہیں دیکھا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ نہیں تو نے اس کو دیکھا ہے میرے سامنے بہانہ کر رہا ہے۔ یہ محض شفقت اور دل لگی کی باتیں تھیں۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہاتھ مجھے دے۔ بمجرد بیعت اس پر حالتِ عجیبہ طاری ہو گئی۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ راقم آثم کے پیرو مرشد سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت زینت الاولیاؒ کی مجلس مبارک میں میاں ابراہیم صاحب لنگڑیالی حاضر تھے کہ حضرت نے میاں صاحب موصوف کو فرمایا کہ وہ قصہ کس طرح ہے کہ آپ نے کسی شخص کی ملاقات حضرت صاحب سے کرائی تھی۔ میاں صاحب نے عرض کی کہ میں مہار شریف حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ میں نے ایک شخص مسافر کو دیکھا کہ وہ ہر کسی کو کہتا کہ حضرت صاحب کے ساتھ میری ملاقات کراؤ۔ مگر اس کے کہنے پر کوئی اس کی طرف التفات نہ کرتا۔ یہ حال دیکھ کر میں نے ارادہ کیا کہ اس بے چارہ کو حضرت صاحب کی خدمت میں جا کر میں پیش کر دوں۔ اس ارادہ پر میں اس شخص کو ہمراہ لے کر حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت صاحب حجرۂ خاص میں وظائف میں مشغول تھے۔ میں حجرہ مبارک کا دروازہ کھول کر جلدی سے اندر داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت صاحب ایک گوشہ میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت صاحب نے اپنی پُر خمار آنکھ کھول کر میری طرف نگاہ فرمائی۔ مجھ پر اسی وقت ایک عجیبہ حالت طاری ہو گئی کہ میرا تمام جسم اکڑ گیا۔ نہ کھڑا ہونے کی طاقت نہ بیٹھنے کی طاقت رہی۔ میں نہایت تکلیف سے دیوار کا آسرا لیتا ہوا باہر نکلا۔ وہ شخص بھی میرے اس

حال کو دیکھ کر واپس ہؤا۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاؒ کی زبان مبارک سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ حضرت صاحب کو درویشان مقیمان آستان مبارک کے سر پر بال رکھنے پسند نہ تھے تاکہ ایک دن حضرت صاحب نے لانگری کو فرمایا کہ درویشوں میں سے جس کے سر پر بال رکھے ہوئے ہوں۔ اس کو روٹی نہ دو جو درویش سر کے بال منڈوائے اس کو روٹی دو۔ اور ایک دن حضرت صاحب نے باوجود کمال محبت کے ہمارے میاں صاحب کو فرمایا کہ مولوی صاحب جی! آپ نے اپنے سر پہ بال کیوں رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے میاں صاحب نے عرض کی کہ مجھے نزول کا خلل ہے اور بالوں کا سر پر ہونا کچھ نفع دیتا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت صاحب خاموشی فرما گئے اور ہمارے میاں صاحب نے وصال سے چند دن پہلے سر کے بال منڈوا کر فرمایا کہ حضرت صاحب کی رضا اسی امر میں تھی۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاؒ سے روایت کرتے ہیں کہ تونسہ شریف میں ایک مرد صوفی تھا۔ ہمارے میاں صاحب کی عادت مبارک تھی کہ رخصت کے دن اس مرد صوفی سے ملاقات فرماتے۔ چنانچہ ایک دفعہ حسب عادت رخصت کے دن اس کی ملاقات کے لئے اس کے حجرہ کی جانب تشریف لے گئے۔ وہ مرد صوفی حجرہ کے اندر تھا اور دروازہ حجرہ کا بھی بند تھا اور اس نے اپنے منہ پر کپڑا اوڑھا ہؤا تھا اور آنکھوں کو بھی بند کیا ہؤا تھا۔ باوجود ان سب حجابوں کے اس مرد صوفی نے صفائے باطن سے دیکھ لیا کہ مولوی صاحب میری ملاقات کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ القصہ اس مرد صوفی نے اپنی اس حالت کو حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں بیان کیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ میاں اپنے وظائف جاری رکھو اور اس گھمنڈ میں آکر اپنے وظائف میں خلل نہ لاؤ۔ چند ایام کے بعد مرد صوفی کپڑے پاک کرنے کے لئے کسی پانی پر گیا۔ جب اس نے اپنے بدن سے کپڑے اتارے تو اس نے اپنی ساری صورت عورت کی صورت میں بدلی ہوئی دیکھی۔ بلکہ اس کے پستان اتنے لمبے ہوئے کہ مونڈھوں سے پیٹھ پر پہنچ گئے۔ اس حالت کو دیکھ کر نہایت پریشان و حیران ہؤا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اصلی حالت پر آگیا۔ اس مرد صوفی نے اپنی یہ کیفیت جب حضرت صاحب کے حضور میں عرض کی حضرت صاحب نے فرمایا کہ تیری یہ حالت سابقہ حالت سے بہتر ہے۔ اس قصہ کے بیان کے وقت کسی شخص نے حضرت زینت الاولیاؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس بہتری کی کیا وجہ ہے۔ حضرت نے ٹال دیا اور فرمایا مجھے کیا علم ہے۔ راقم اثم

عرض کرتا ہے کہ اولیاء اللہ کے اسرار کو وہ خود یا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے مگر اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ پہلی حالت سے عُجب وخود بینی میں گر جانے کا خطرہ تھا اور دوسری حالت کا نتیجہ وثمرہ عجز وشکستگی تھا اس لحاظ سے ممکن ہے کہ حضرت صاحب نے اس کو بہتر فرمایا ہو یا کوئی اور وجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے علمائے حاضرین مجلس مبارک سے استفسار فرمایا کہ اندھیرے میں نماز وتر کا ادا کرنا بلاکراہت جائز ہے یا نہ۔ ہمارے میاں صاحب نے عرض کی کہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث شریف آئی ہے کہ ایک رات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں نماز وتر پڑھنے میں مشغول تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرتؐ کے موضع سجود میں پاؤں دراز کرکے سوئے ہوئے تھیں۔ جب حضرتؐ سجود کے لئے تشریف لے جاتے تو حضرتؐ کے ہاتھ مبارک کے لگنے سے حضرت صدیقہؓ اپنے پاؤں کو سمیٹ لیتیں اور حضرتؐ جب پھر قیام میں جاتے تو حضرت صدیقہؓ پاؤں کو لمبا کر لیتیں اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں نماز وتر بلاکراہت جائز ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب جی! حدیث پر عمل کرنا مجتہدین کا کام ہے۔ ہم مقلدوں کے لئے فقہاء کا قول سند ہے۔ اگر یہ مسئلہ کسی فقہ کی کتاب میں مل جاوے تب اطمینان ہوگا۔ ان ہی ایام میں ہمارے میاں صاحب رخصت لے کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ڈیرہ اسمٰعیل میں کسی مولوی صاحب کے کتب خانہ میں اس مسئلہ کو تلاش فرمایا لیکن دستیاب نہ ہوا۔ دوسرے سال جب حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب جی! اجمار شریف میں کسی فتاویٰ میں یہ مسئلہ مل گیا ہے کہ بلاکراہت جائز ہے۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اوائل ایام میں حضرت صاحب تن تنہا مستانہ وار اجمار شریف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں کسی شہر سے حضرت صاحب کا گزر ہوا۔ ان لوگوں کو اطلاع ملی تھی کہ کسی بادشاہ کا لشکر اس جانب سے آرہا ہے اور وہ لوگ وہاں سے بھاگ جانے کی تجاویز سوچ رہے تھے۔ حضرت صاحب کی صورت درویشانہ دیکھ کر ان کے دل میں خیال آیا کہ اس درویش کی خدمت میں عرض کریں۔ شاید اس کی برکت [illegible] مصیبت ٹل جاوے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت [illegible] عرض کیا کہ فلاں طرف سے فلانے بادشاہ کا لشکر ہمارے لوٹنے کے لئے آرہا ہے۔ اگر ہماری اس مصیبت کے ٹل جانے کے لئے دعائے خیر فرمائیں

تو شان ذرہ نوازی سے دور نہ ہوگا۔ حضرت صاحب نے ایک ٹھیکری پر کچھ لکھ کر ان میں سے ایک شخص کو دیا اور فرمایا کہ جس طرف سے لشکر آرہا ہے، اسی طرف چلا جا۔ لشکر سے کچھ فاصلہ پہ آگے ایک مرد درویش صورت پرانے لباس والا اس کی پنڈلیوں پر پٹیاں بندھی ہوئی ہوں گی اور ایک ہاتھ سے اس نے بکری کا کان پکڑا ہوا ہوگا آتا ہوگا۔ یہ ٹھیکری اس کو دے دینا۔ وہ شخص حسب ارشاد اسی جانب روانہ ہوا۔ اس نے دیکھا کہ اسی صورت والا درویش آرہا ہے جا کر ٹھیکری اس کے ہاتھ میں دے دی جب ٹھیکری کا لکھا ہوا اس نے پڑھا تو اسی جگہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا بس طبیعت ترش ہو گئی۔ دو تین دفعہ اس کلمہ کو اس درویش نے دہرایا۔ پھر کسی اور سمت بکری کا کان کھینچتا ہوا روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد جب لشکر اس مقام پہ پہنچا تو سوائے لشکر اسی درویش کے قدموں پہ رک گیا۔ پھر اسی جانب جدھر درویش گیا تھا روانہ ہو گیا اور وہ شہر حضرت صاحب کی مہربانی سے لٹنے سے بچ گیا۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایام عرس مبارک میں بوقت چاشت حضرت زینت الاولیاءؒ بارہ دری کے سایہ میں رونق افروز تھے اور علاقہ کے علماء جو کہ بہ تقریب عرس تشریف آئے ہوئے تھے، ان سب کو حضرت نے بلا کر ایک مسئلہ فقہیہ کے متعلق استفسار فرمایا۔ اس کے جواب میں میاں غلام محمود صاحب خلاصی نے عرض کیا کہ ایک دفعہ تونسہ مقدسہ میں ایک مولوی صاحب کسی طالب علم کو شرح وقایہ پڑھا رہے تھے۔ اس سبق میں یہی مسئلہ مذکور تھا اور شرح وقایہ کی ظاہر عبارت پر کوئی اعتراض وارد ہوتا تھا۔ مولوی صاحب کی سماعت میں کچھ نقص تھا۔ میرے والد صاحب نے طالب علم کو وہ اعتراض سمجھایا۔ اس نے استاد صاحب کے پیش کیا۔ مولوی صاحب نے اس کا جواب باصواب دیا۔ اس تقریب سے حضرت نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت صاحب تونسہ مقدسہ میں نماز باجماعت ادا فرما رہے تھے کہ اچانک حضرت صاحب کے وضو میں کوئی خلل واقع ہو گیا۔ اس لئے حضرت صاحب تجدید وضو کے ارادہ سے صفوف جماعت سے باہر تشریف لے آئے۔ حضرت زینت الاولیاءؒ نے فرمایا کہ جب مجھے اس بات کا علم ہوا میں نے عمداً نماز توڑ دی اور جماعت سے باہر نکل آیا کہ میں حضرت صاحب کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔ جب اس واقعہ کا علم اس مولوی صاحب کو ہوا جس کے متعلق مولوی غلام محمود صاحب نے ذکر کیا ہے تو اس نے مجھ پر زبان طعن و اعتراض دراز کی۔ جب اس اعتراض کی خبر حضرت صاحب کو پہنچی تو آپ اس مولوی صاحب پر سخت ناراض ہوئے۔ انتہیٰ۔

اس مقام میں راقم آثم اتنا عرض کر دینا ضروری اور کافی سمجھتا ہے کہ چشم ظاہر بین کے لئے یہ فعل واقعی

قابلِ طعن و اعتراض ہے لیکن جن کی چشم حقیقت بین کھلی ہوئی ہے ان سے مخفی نہیں کہ جو نماز شیخ کامل کی معیت میں ادا ہوتی ہے وہ اور جماعتوں سے بدرجہا افضل و اکمل ہے اور نماز کو تکمیل کے ارادہ سے توڑ دینا شرعاً جائز ہے جیسے کہ تنہا نماز پڑھنے والا اگر جماعت کو پالیوے تو اس کے لئے حکم ہے کہ اپنی نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جاوے۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب جہار شریف تشریف لائے تو ایک قاضی صاحب نے جو کہ لوگوں میں معزز تھا اور حضرت قبلہ عالم غریب نواز کا مرید تھا۔ حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے ایک نوجوان عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے اور ہمارے درمیان موافقت نہیں ہے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں مجھے لوگوں میں شرمندہ نہ کرے۔ آپ حضرت قبلہ عالم غریب نواز کے روضہ اقدس میں میرے حق میں دعائے خیر فرماویں کہ ہمارے درمیان موافقت ہو جاوے۔ حضرت صاحب حسب معمول جب روضہ اقدس کی زیارت سے فارغ ہو کر باہر تشریف لائے تو قاضی موصوف سامنے کھڑا تھا اور کسی طالب علم کے آگے کسی مسئلہ کی تقریر کر رہا تھا حضرت صاحب نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ قاضی صاحب! حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ میں اس کا کام کر دوں گا لیکن اس نے میرا کہنا بھلا دیا ہے میں نے اس کو فلانے دن فلاں وقت فلاں جگہ ایک وظیفہ پڑھنے کو کہا تھا۔ اس کو یہ ادا نہیں کرتا۔ قاضی موصوف اس پیغام کو سن کر بے اختیار بیہوش ہو کر زمین پہ گر گیا جس وقت ہوش میں آیا کہنے لگا سبحان اللہ! میری بیعت حضرت قبلہ عالم کے ساتھ حضرت صاحب سے پہلے ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ شان عطا فرمایا ہے کہ حضرت قبلہ عالم ان سے ہم کلام ہوتے ہیں اور مجھے تو بجز قبر کے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ حضرت قبلہ عالم نے مجھے وظیفہ عطا فرمایا تھا اور مجھ سے بھاری قصور بے شک سرزد ہوا۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی شخص نے بندوق حضرت صاحب کی خدمت میں نذر گذرانی۔ حضرت صاحب نے اس کو ہاتھ مبارک میں لے کر فرمایا کہ کس کو ماروں۔ کسی نے بطور خوش طبعی عرض کیا کہ آپ شادو کو ماریں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ شادو مارن دا جوان ہے۔ یہ جملہ بطور استفہام انکاری ہے یعنی شادو مارنے کے قابل اور مستحق جوان نہیں ہے۔ اس کے بعد کسی اور شخص نے عرض کی کہ فرنگیوں کو جنہوں نے کابل پر حملہ کیا ہے آپ ماریں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ تو نے درست کہا ہے پس حضرت صاحب نے کابل

کی طرف بندوق کا منہ کر کے اپنی زبان مبارک سے بندوق کی مثل آواز فرمایا کسی حاضر الوقت شخص نے وہ وقت نوٹ کر لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کابل سے فرنگیوں کے فرار کا وہی وقت تھا۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جب ہمارے میاں صاحب نے تونسہ مقدسہ جانے کا ارادہ فرمایا مجھے اور میاں عابد جی صاحب کو اپنے ہمراہ چلنے کا حکم فرمایا اور روانگی کے وقت فرمایا کہ چونکہ کمزوری کی وجہ سے سفر میں اسباق کا ہونا مشکل ہے۔ لہٰذا کتابیں ساتھ نہ اٹھاؤ۔ پس ہم نے موافق حکم کے کتابیں نہ اٹھائیں۔ جب ہم تونسہ مقدسہ پہنچے تو حضرت صاحب نے ہمارے میاں صاحب کو فرمایا کہ مولوی صاحب جی۔ ان دو درویشوں کے اسباق قضا نہ کرو۔ یہ بہت اچھے درویش ہیں۔ پس ہمارے میاں صاحب نے فرمایا کہ لنگر سے یا کسی اور جگہ سے کتابیں تلاش کر کے اسباق شروع کرو۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ حضرت زینت الاولیاؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت صاحب کے حضور میں علم منطق کا ذکر شروع ہوا۔ ہمارے میاں صاحب بھی اس مجلس میں حاضر تھے حضرت صاحب نے فرمایا کہ "یجوز الاستنجاء باوراق المنطق" فقہا کا قول ہے یعنی منطق کی کتابوں کے اوراق سے استنجا جائز ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا کہ اس علم کی تدریس جاری رکھو۔ اچھا علم ہے جو علوم مقصود بالذات ہیں ان میں قوت بخشتا ہے۔ انتہیٰ۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ منطق علوم شرعیہ سے نہیں ہے اور مسلمان کا مقصد اصلی علوم شرعیہ کو حاصل کرنا ہے لہٰذا بظاہر فضول و لایعنی نظر آتا ہے لیکن علوم مقصودہ میں اس علم کا فائدہ ظاہر ہے بلکہ علم تصوف جو کہ اہم مقاصد سے ہے اس پر موقوف ہے۔ لہٰذا اس علم کا سیکھنا ضروری ہے۔

صاحب تذکرہ بوساطت پیر و مرشد راقم آثم حضرت زینت الاولیاؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت محرم علی شاہ صاحب خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ تونسہ مقدسہ کی جانب آرہے تھے جب کہ ان کا ورود ریاست بہاولپور میں ہوا اور بہاول خان والی ریاست کو ان کی تشریف آوری کا علم ہوا تو کسی قاصد کے ذریعہ حضرت خلیفہ صاحب کی خدمت میں عرض کر بھیجی کہ آپ کل میرے پاس تشریف ارزانی فرماویں کہ میں بھی قدم بوسی حاصل کر لوں گا۔ شاہ صاحب کو جب یہ پیغام پہنچا تو رات کے اندھیرے میں تونسہ مقدسہ کی جانب روانہ ہو گئے جب بہاول خان کو اس بات کا علم ہوا تو بہاول خان نے حضرت صاحب کی خدمت اقدس میں شاہ صاحب کی شکایت کی عرضی لکھی کہ میں حضور کے

خادموں سے ہوں اور ہمیشہ آرزو رکھتا ہوں کہ کوئی پیر بھائی میری جانب مہربانی سے التفات فرماوے لیکن خادم آستان پر کوئی پیر بھائی التفات نہیں کرتا۔ چنانچہ خلیفہ صاحب فلاں رات فلاں مقام پر تشریف فرما تھے اور ان کو جب غلام کے ارادہ قدم بوسی کی اطلاع ملی۔ راتوں رات بھاگ کر چلے گئے۔ حضرت صاحب نے اس خط کا مضمون جب سنا تو خلیفہ صاحب پر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ درویش کو اسی طرح کرنا چاہیئے۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاؒ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب نماز عشا کے بعد سو رکعت نفل ادا فرما کر استراحت فرماتے تھے۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاؒ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب حضرت قبلہ عالم غریب نواز کے ہم رکاب کسی سفر میں تھے کسی منزل میں قوال نے مجلس سماع میں یہ شعر پڑھا ؎

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اس شعر سے حضرت صاحب پر وجد کی حالت طاری ہو گئی اور حضرت قبلہ عالم کا طواف شروع کر دیا۔ قوال اسی شعر کا تکرار کر رہے تھے کہ حضرت قبلہ عالم غریب نواز کی لنگی مبارک پر جو کہ سفید رنگ تھی حضرت صاحب کی آنکھ مبارک سے قطرات خون گرے۔ جب حضرت قبلہ عالم کی نظر مبارک ان قطرات خون پر پڑی تو حضرت نے قوال کو چپ کرنے کا اشارہ فرمایا۔ وہ چپ ہو گئے اور حضرت صاحب بیہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ انتہیٰ۔

قسم دُوم

حضرت زینت الاولیاؒ کے ملفوظات متعلقہ کرامات حضرت قبلہ عالم غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی مسکین نے حضرت قبلہ عالم غریب نواز کی خدمت میں روٹی کا سوال کیا۔ حضرت قبلہ عالم نے اس کو نہایت ترش روئی سے فرمایا کہ تجھ کو روٹی نہیں دیتا۔ آخر اس کے اصرار سے اس کو ایک روٹی کا ٹکڑا عطا فرمایا۔ کسی خادم نے عرض کی کہ حضور کے لنگر سے ہزارہا لوگ روٹی کھا رہے ہیں۔ اس مسکین پر حضرت نے اتنی زجر کیوں فرمائی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس شخص نے ملازمت میں لوگوں پر بڑے ظلم کئے ہیں اور اب اس ذلت کو پہنچا ہے اور میں نے یہ زجر اس کو اس لئے کی ہے کہ شاید اس کے دل میں عاجزی و انکسار پیدا ہو جائے اور اس کے لئے باعث مغفرت ہو جاوے کہ یہ اس کی عمر کا آخری لمحہ ہے اور یہ

ٹکڑا روٹی کا بھی اللہ جانتا ہے کہ اس کا لفیب ہے یا نہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شخص شہر سے باہر کسی مسجد میں دیوار سے تکیہ لگا کر اپنا سر زانو پر رکھ کر بیٹھا ہے۔ جب کسی نے اس کو حرکت دی تو معلوم ہوا کہ مرا ہوا ہے اور وہ ٹکڑا روٹی کا سالم اس کے دامن سے بندھا ہوا ہے۔ انتہی۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک طالب علم تھا اس کو سر کا درد عارض ہوگیا جس کی وجہ سے وہ علم پڑھنے سے عاجز ہوگیا۔ اسنے حضرت قبلہ عالم غریب نواز کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر اپنی تکلیف بیان کی۔ حضرت نے اس کو کسی حکیم کے حوالہ کیا حکیم نے اس کا علاج کیا مگر اس کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اپنی تکلیف کی شکایت عرض کی۔ حضرت نے اپنے پس خوردہ سے ایک ٹکڑا اس کو عنایت فرماکر فرمایا کہ حکما کے اقوال چنداں قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ اس طالب علم نے جب وہ ٹکڑا کھایا اس کا درد سر ایسا رفع ہوا کہ کبھی ساری عمر میں اس کو اس درد کی شکایت نہ ہوئی۔ انتہی۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اوائل ایام میں حضرت قبلہ عالم غریب نواز جانب دہلی حضرت مولانا فخر الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ کہ اچانک کسی سانپ نے حضرت کو کاٹا۔ حضرت اس زخم پر پٹی باندھ کر روانہ ہوئے۔ کچھ فاصلہ کے بعد حضرت نے دیکھا کہ راستہ سے ایک طرف ذریت کے ٹیلہ پر ایک شخص ضعیف سیاہ رنگ نہایت کمزور بیٹھا ہے اس شخص نے حضرت کو بلایا۔ جب اس کے قریب تشریف لے گئے تو اس شخص نے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو اور یہ پٹی کیوں باندھ رکھی ہے؛ حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا فخر الحق والدین کی زیارت کے لئے دہلی جا رہا ہوں اور سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے یہ پٹی بندھی ہوئی ہے۔ اس شخص نے فرمایا کہ پٹی کھول دے اور اپنا ہاتھ مبارک اس جگہ لگایا جس کے اثر سے درد بھی کافور ہوگیا اور زخم بھی مندمل ہوگیا۔ پھر اس شخص نے فرمایا کہ مجھے دودھ پلا۔ حضرت نے کہیں سے دودھ لاکر اس شخص کو پلایا۔ رخصت کے وقت اس شخص نے فرمایا کہ جب دہلی پہنچے تو مولانا صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا۔ پھر اس نے کہا کہ آنکھیں بند کر۔ حضرت نے آنکھیں بند کرلیں جب دیکھا تو اپنے آپ کو دہلی کے دروازہ کے قریب کھڑا ہوا پایا۔ جب حضرت مولانا کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے تو اس شخص کا سلام عرض کیا۔ حضرت مولانا یہ کلام سنتے ہی فوراً دوپا کھڑے ہوگئے اور دونوں ہاتھ اور زبان سے تعظیم کو بجالائے۔ حضرت نے عرض کی

کہ وہ کون شخص تھا حضرت مولانا نے فرمایا کہ حضرت بابا گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کی روح پاک تھی۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص باشندہ علاقہ مہار شریف حضرت قبلہ عالم غریب نواز کا مخلص غلام تھا حضرت کے وصال سے چند عرصہ بعد وہ فوت ہو گیا۔ صاحبزادگان کسی وجہ سے اس کے ورثا کے پاس فاتحہ خوانی کے لیئے نہ جا سکے جس سے وہ لوگ نہایت پریشان اور شکستہ خاطر ہوئے۔ رات نیند میں اس کا قریبی رشتہ دار حضرت قبلہ عالم غریب نواز کی زیارت سے مشرف ہوا کہ آپ فاتحہ خوانی کے لئے اس کے پاس تشریف لے آئے ہیں اور مبلغ دو روپیہ بموجب رسم فاتحہ خوانی بھی اس کو دیئے۔ جب وہ بیدار ہوا تو دیکھا کہ دو روپیہ بھی وہاں پڑے ہیں اور حضرت کے قدم مبارک کے آثار بھی نظر آرہے ہیں۔ ان آثار اقدام مبارکہ کو انہوں نے زیارت گاہ مخلوق بنایا۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ بوساطت پیر و مرشد راقم آثم حضرت زینت الاولیاءؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت قبلہ عالم غریب نواز حاجی پور تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت کے خلیفہ اوّل حضرت نور محمد صاحب نارووالا علوم ظاہریہ کا درس طلباء کو دے رہے تھے حضرت نے استفسار فرمایا کہ علم تصوف کا بھی کوئی سبق زیر تدریس ہے خلیفہ صاحب نے عرض کیا کہ نہیں۔ اس پر حضرت قبلہ عالم غریب نواز نے یہ ارشاد فرمایا ؎

بھاہ لگے اوس ویس نوں ونج پوے اوس تھاں ؛ جتھاں نہ پیا دا چرچا نہ پیا دا ناں ۔ انتہیٰ

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے ساتھ حضرت قبلہ عالم غریب نواز نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو شخص انتقال کرے دوسرا ضرور اس کے جنازہ پر حاضر ہو۔ اتفاقاً حضرت قبلہ عالم غریب نواز کا پہلے وصال ہو گیا۔ وہ شخص نہایت غمناک اور پریشان ہوا کہ میری حاضری حضرت کے جنازہ پر کوئی ضروری چیز نہ تھی مگر حضرت کا میرے جنازہ پر تشریف لانا بہت ضروری اور میرے لئے باعث مغفرت تھا جس سے میں محروم رہ گیا۔ اسی غم میں چند عرصہ کے بعد وہ شخص فوت ہو گیا جب اس کا جنازہ جنازہ گاہ میں لے گئے۔ اچانک حاضرین نے دیکھا کہ سبز گھوڑی پر کوئی سوار آرہا ہے۔ اس کے انتظار کے لئے سب لوگ ٹھہر گئے۔ جب وہ سوار قریب پہنچا تو سب نے پہچان لیا کہ حضرت قبلہ عالم غریب نواز تشریف لا رہے ہیں۔ اس وقت ہر کسی کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ حضرت تو وصال کر چکے ہیں۔ سب کے ذہن میں یہی بات سما گئی کہ حضرت اس دنیا میں ظاہری زندگی کے ساتھ موجود ہیں چنانچہ حضرت نے تشریف لا کر اس شخص کی نماز جنازہ میں شمولیت کی اور اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اس کے بعد لوگ اس خیال میں

مصروف ہوئے کہ حضرت کی مہمانی کا بندوبست کیا جاوے۔ اسی اثنا میں حضرت غائب ہو گئے۔ تب لوگوں کا خیال اس طرف متوجہ ہوا کہ حضرت تو عرصہ سے وصال فرما چکے ہیں۔ اب محض خرق عادت کے طور پر ایفائے وعدہ کے مدلئے تشریف لائے ہیں سبحان اللہ۔ انتہیٰ۔

قسم تیسرا

وہ ملفوظات جو کہ حضرت محب النبی حضرت مولٰنا فخر الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ہیں

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیا رضہ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولٰنا رضہ ایک خادم کے ہمراہ بازار کی جانب بقصد سیاحت تشریف لے گئے۔ اثنائے راہ میں کسی بلند مکان کے نیچے سے گزرنے کا اتفاق ہوا، وہاں حضرت کو ایک بدبو محسوس ہوئی۔ حضرت نے خادم سے پوچھا کہ یہ کس چیز کی بدبو ہے۔ خادم نے عرض کی۔ کہ اس ماڑی پر ایک کنجری نوراں نام والی بود و باش رکھتی ہے اور وہ بہت قیمتی شراب بناتی ہے۔ ایک پیالہ اس شراب کا پانچ روپیہ پر فروخت کرتی ہے۔ یہ اسی شراب کی بدبو ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس ماڑی کا راستہ اوپر جانے کا کدھر سے ہے۔ خادم نے راستہ بتایا۔ مولٰنا اسی راستہ سے اوپر ماڑی پر تشریف لے گئے اور حضرت نے ملاحظہ فرمایا کہ نوراں کنجری ایک معزز مکان پر بیٹھی ہے اور اس کے ملازم شراب سازی میں مشغول ہیں۔ حضرت نے اس کنجری کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "ارے مائی نوراں اب تو بس کریئے۔" اتنا فرما کر فی الفور واپس ہوئے۔ مائی نوراں پر ان کلمات نے یہ اثر کیا کہ فوراً بلا تامل اپنی مسند سے اٹھ کر حضرت کے پیچھے روانہ ہوئی۔ جب ماڑی کے زینہ کے قریب پہنچی تو پچھلی طرف منہ موڑ کر اتنا کہا کہ میرا سب مال لوٹ لو۔ اتنا کہہ کر زینہ سے اتر گئی اور حضرت کی جائے قیام پر پہنچ کر بیعت سے مشرف ہوئی اور کسی حجرہ میں بیٹھ کر یاد خدا میں مشغول ہو گئی اور آخری دم تک قدم باہر نہ رکھا۔ رحمۃ اللہ علیہا۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیا رضہ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک پٹھان مولوی دہلی میں اس ارادہ سے آیا کہ مولٰنا سماع سنتے ہیں میں ان سے لڑونگا اور ان کو قتل کروں گا۔ حضرت مولٰنا رضہ بموجب عادت سیر و سیاحت سے فارغ ہو کر واپس بازار میں تشریف لا رہے تھے کہ اس مولوی کو کسی نے بتایا کہ وہ مولٰنا جس کی تو تلاش کر رہا ہے وہ یہ شخص ہے۔ یہ سن کر وہ مولوی ایک بڑا پتھر سامنے نکال کر بارادۂ قتل حضرت کے پیچھے روانہ ہوا جب حضرت کے

قریب پہنچا تو حضرت نے اس کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا" ارے میاں! ہم بھی سپاہی لوگ ہیں ہمارے پاس ہوش کر کے آنا"
ان الفاظ مبارک کا اس مولوی پٹھان پر یہ اثر ہوا کہ مثل زخمی شکار کے تڑپنے لگ گیا اور وجد میں آگیا۔ کہاں چھرا اور کہاں
پگڑی۔ بیقرار دیوانہ وار حضرت کے پیچھے روانہ ہوا۔ حضرت کے مکان پر حاضر ہو کر حضرت کی بیعت سے مشرف ہوا۔ سبحان اللہ۔ انتہیٰ۔
صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولٰنا بارادۂ سیر بازار کی جانب
تشریف لے گئے کہ اچانک ایک مست ہاتھی جو کہ آدمیوں کو مارتا تھا پیچھے سے آگیا۔ خادم نے عرض کی کہ مست ہاتھی
آرہا ہے۔ آپ ایک طرف ہو جاویں۔ حضرت نے خادم کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ جب وہ ہاتھی نزدیک آگیا۔
تو حضرت مولٰنا نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا" ارے میاں ہاتھی! تم کو خدا تعالےٰ نے اس لئے پیدا نہیں فرمایا
کہ تم آدمیوں کو ضرر دیا کرو۔ اس فرمان کے سنتے ہی ہاتھی اس جگہ ٹھہر گیا۔ پھر کسی کھلی چار دیواری میں بیٹھ گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد
حضرت مولٰنا کا اسی راہ سے گذر ہوا۔ وہاں بہت شور و غل بپا تھا۔ حضرت نے استفسار فرمایا کہ یہ کیا شور ہے؟ خادم نے عرض کی کہ یہ وہی
ہاتھی ہے جسکو حضرت نے تنبیہ فرمائی تھی۔ وہ اس جگہ بیٹھا ہوا ہے اور بچے اس پر کود رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت اس کے پاس تشریف
لے گئے اور فرمایا" ارے میاں ہاتھی! ایسا بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسا ہونا چاہیئے جیسے تمہارے اور بھائی ہیں" حضرت مولٰنا
کا یہ فرمان سن کر ہاتھی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا جسم جھاڑ کر باقی ہاتھیوں میں جا ملا۔ انتہیٰ۔
صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ سے روایت فرماتے ہیں۔
کہ ایک مولوی صاحب دہلی میں اس ارادہ سے وارد ہوا کہ حضرت مولٰنا کے ساتھ مسی کے عدم جواز پر بحث کریگا۔ وہ دہلی
کی کسی مسجد میں پہنچا تو اس کو دانتوں کا درد شروع ہو گیا۔ حضرت مولٰنا نماز عصر کے وقت اسی مسجد میں تشریف لائے۔
اس وقت مولوی مذکور درد سے بیقرار تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر مسی استعمال کرے تو اچھا ہو جاوے گا۔ اس کو یہ
معلوم نہیں تھا کہ یہی حضرت مولٰنا ہیں لیکن اس نے اس دن مسی کا استعمال نہ کیا۔ دوسرے دن حضرت پھر نماز عصر کے
وقت وہاں تشریف لائے۔ وہ درد کی وجہ سے سخت ابتر حالت میں تھا۔ حضرت نے پھر بھی فرمایا کہ مسی کے استعمال
سے اچھا ہو جاویگا۔ وہ جب سخت لاچار ہوا تو اس نے مجبوراً مسی کا استعمال کیا۔ فوراً درد سے تسکین حاصل ہو گئی۔ تیسرے
یا چوتھے روز حضرت پھر نماز عصر کے وقت وہاں تشریف لائے اور حضرت نے اس کو فرمایا کہ اگر مسی کو ہمیشہ استعمال
کرتے رہو گے تو آرام رہے گا ورنہ درد پھر واپس آجاویگا۔ وہ مولوی مسی کے استعمال میں مبتلا ہو گیا اور بحث جواز و عدم

جواز کی ختم ہوگئی ۔ انتہیٰ ۔

صاحب تذکرہ حضرت زینت الاولیاءؒ سے روایت فرماتے ہیں کہ حاجی امیر عالم خاں صاحب متوطن شکردرہ معیت اپنی والدہ کے حج بیت اللہ کے لئے گئے ۔ حج سے فارغ ہو کر تحصیل علوم ظاہریہ کے لئے دہلی میں مقیم ہوئے اور کبھی کبھی حضرت مولنٰا کے ساتھ بھی ملاقات کرتے تھے ۔ ایک دفعہ حضرت نے حاجی صاحب کو کوئی وظیفہ عنایت فرمایا جس کے پڑھنے سے حاجی صاحب کو گریہ شروع ہو گیا تا حدیکہ علم پڑھنے سے رہ گئے ۔ ایک دن حاجی صاحب سے ان کی والدہ نے اس رونے کا سبب پوچھا ۔ حاجی صاحب نے بتایا کہ حضرت مولنٰا نے ایک وظیفہ عطا فرمایا ہے اس کی تاثیر سے یہ رونا شروع ہو گیا ہے ۔ والدہ نے کہا کہ ابھی یہ وظیفہ چھوڑ دو اور علوم ظاہریہ کے حاصل کرنے میں کوشش کرو ۔ ان سے فارغ ہو کر پھر وظیفہ جاری کرو ۔ حاجی صاحب نے والدہ کے قول پر عمل پیرا ہو کر وظیفہ کو ترک کر دیا ۔ دل ٹھنڈا ہو گیا اور رونا موقوف ہو گیا ۔ اس کے بعد حضرت مولنٰا کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر والدہ کا فرمان اور اس پر عمل کرنے کے متعلق ذکر فرمایا ۔ حضرت نے فرمایا کہ "اگر کرتے تو کچھ ہو جاتے" ۔ القصہ حاجی صاحب تحصیل علوم ظاہریہ میں مشغول ہو گئے ۔ چند عرصہ کے بعد حضرت مولنٰاؒ سے رخصت طلب کی ۔ حضرت نے رخصت کے وقت حاجی صاحب کو ایک نسخہ قطبی کا عنایت فرمایا جو کہ حاجی صاحب یہاں مکھڈ میں ساتھ لائے ۔ حاجی صاحب کے علوم ظاہریہ سے فارغ ہونے تک حضرت مولنٰاؒ وصال فرما گئے ۔ حاجی صاحب بہت افسوس سے کہتے کہ اگر کوئی شخص میرا سارا علم لے لیوے اور وہ گریہ اور لذت مجھے دے دیوے تو یہ سودا نہایت ارزاں ہے ۔ اس کے بعد حاجی صاحب نے کسی بزرگ سے بیعت نہ کی اور کہتے تھے کہ میری بیعت وہی حضرت مولنٰا کی ملاقات ہے ۔ اس کے بعد مکھڈ میں ہمارے میاں صاحب کے زمانہ میں تدریس کرتے رہے اور ان کی وفات اپنے شہر شکردرہ میں ہوئی ۔ انتہیٰ

قسم چوتھا

حضرت زینت الاولیاءؒ کے ملفوظات متفرقہ میں

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت زینت الاولیاءؒ نے فرمایا کہ حافظ صاحب نلہ والے مشہور حافظ وڈے پٹ صفائے باطن سے آیات قرآنیہ کے مضمون بیان فرماتے تھے ۔ اگرچہ ترکیبی معنی پر بوجہ نہ ہونے علم ظاہری کے قدرت نہ رکھتے تھے ۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ کوئی شخص حافظ صاحب کا مہمان ہوا ۔ حافظ صاحب نے اپنے

لنگر سے اس کو خشک روٹی عطا فرمائی۔ اس نے کہا کوئی لازمہ بھی آوے گا۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ صبر کرو آجاویگا تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر یہی سوال کیا۔ حافظ صاحب نے وہی جواب دیا۔ جب بھوک نے اس کو تنگ کیا تو لازمہ کی انتظار کو ترک کر کے خشک روٹی اس نے کھالی۔ حافظ صاحب اس کے حال کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ فرمانے لگے کیا اچھا لازمہ پہنچا ہے!"

حضرت نے فرمایا کہ اپنے میاں صاحب کے ہمراہ تونسہ مقدسہ جاتے ہوئے ایک دفعہ مکل سے اتفاق گزر ہوا۔ حافظ صاحب نے مجھ سے استفسار فرمایا کہ کہاں کا باشندہ ہے اور کیا پڑھتا ہے۔ میں نے کہا کہ انگہ کا باشندہ ہوں اور حضرت مولانا کی خدمت میں میر ایساغوجی پڑھتا ہوں۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ آفرین آفرین! اول سے شروع کیا ہے۔ آخر تک پہنچے گا۔ پھر جب حافظ صاحب کی مرض الموت کے موقع پر ہمارے میاں صاحب اسی راستہ سے تشریف لے گئے تو حافظ صاحب نے میرے متعلق پوچھا کہ انگہ والا طالب علم آپ کے ہمراہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں! میرے ہمراہ ہے۔ انتہیٰ۔

حضرت نے ایک دن ذکر فرمایا کہ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی ایک دفعہ کسی مرد بزرگ قوم ارائیں کے ہاں مہمان ہوئے اس بزرگ نے مولوی صاحب کے لئے چھیجا یعنی گاجر کے پتے کی ترکاری پکائی۔ مولوی صاحب فرمانے لگے کہ میں نے بہت لذیذ اور شاہانہ طعام کھائے ہیں لیکن میں نے ایسی لذت کسی طعام سے نہیں چکھی۔

حضرت نے فرمایا کہ ایک بزرگ تھا۔ موسم سردی اور برف میں بھی اس کے بدن سے پسینہ جاری رہتا۔ کسی شخص نے ان سے اس کی وجہ پوچھی فرمانے لگے کہ میں نے ایک دفعہ کسی کی دیوار سے ایک ٹکڑا مٹی کا گرا ہوا استنجا کے لئے بغیر اجازت مالک کے اٹھا لیا تھا۔ اس کے بعد مالک سے اجازت بھی پوچھ لی لیکن اس خوف سے کہ اجازت پوچھنے اور استعمال کے درمیان جو وقت گزرا ہے مبادا کہ مجھے اس جرم میں گرفتار کیا جاوے میرا پسینہ جاری رہتا ہے۔ انتہیٰ۔

حضرت نے فرمایا کہ ایک طالب علم متوطن جی شاہ دلاور غلام قادر شاہ صاحب ٹوانوی کی خدمت میں علوم ظاہریہ کا شغل رکھتا تھا۔ چونکہ شاہ صاحب موصوف اکثر اوقات ریاضت چلہ کشی میں گزارتے تھے تو جب چلہ سے باہر تشریف لاتے جتنے دنوں کے اسباق ناغہ ہوتے ان کے اندازہ سے کتاب کے اوراق الٹا کر آگے سبق شروع فرما دیتے۔ اسی طریقہ پر شاہ صاحب نے اس طالب علم کو سب کتابیں پڑھائیں اور فارغ التحصیل کر کے دستار بند کر دی اس وقت اس طالب علم نے عرض کیا۔

کہ جس طریقہ پر آپ نے مجھے درس دیا ہے۔ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ اس طریقہ تعلیم سے مجھے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اور نہ میں کسی طالب علم کے پڑھانے پر قدرت رکھتا ہوں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ کتابوں کے مطالعہ کے وقت میری صورت کا تصور کرنا تجھے کوئی چیز مشکل نہ رہے گی۔ طالب علم نے عرض کی کہ اگر اتفاقاً آپکا تصور کسی وقت نہ ہو سکے تو پھر میں کیا کرونگا شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا کسی مصور کو بلا کر میری تصویر کھچوا لو۔ اشکال کے وقت میری تصویر کے دیکھنے سے مشکل حل ہو جاوے گی۔ جب مصور حاضر ہوا تو شاہ صاحب نے مصور کو فرمایا کہ میری تصویر اس طرح کھینچو کہ حضرت پیر محبوب سبحانی تشریف فرما ہوں اور میں ان کی خدمت میں دست بستہ کھڑا ہوا ہوں۔ مصور نے عرض کی کہ حضرت محبوب سبحانی کی زیارت سے میں مشرف نہیں ہوا۔ ان کی تصویر میں کیسے بناؤنگا۔ تب شاہ صاحب مصور کو حجرہ کے اندر لے گئے۔ وہاں اس نے دیکھا کہ حضرت پیر محبوب سبحانی تشریف فرما ہیں اور شاہ صاحب ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب تصویر کھینچ لو۔ مصور نے حسب فرمان تصویر تیار کی۔ شاہ صاحب نے وہ تصویر اس طالب علم کے حوالہ کی اور فرمایا کہ مطالعہ کے وقت اس کو دیکھا کرو۔ وہ مولوی صاحب اس تصویر کو لے کر اپنے قصبہ موضع جی میں آ کر اسی تصویر کی امداد سے برسوں طلبا کو درس دیتا رہا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس مولوی صاحب کی وفات کے بعد اس کی کتابیں ہمارے کتبخانہ میں آئیں مگر تصویر کا پتہ نہ چلا کہ کدھر گئی۔ راقم آثم عرض کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ صاحب تصویر نے ضرورت سے فارغ سمجھ کر واپس کر لی ہو۔ واللہ اعلم۔ انتہی۔

حضرت نے ایک دن فرمایا کہ قاضی صاحب کفری والے جب اپنے استاذ صاحب سے علم پڑھتے تھے تو استاذ صاحب کی یہ خدمت قاضی صاحب نے اپنے ذمہ لی ہوئی تھی کہ جس وقت نماز عشاء کے بعد استاذ صاحب گھر تشریف لے جاتے تو قاضی صاحب کوزہ پانی کا بھر کر استاذ صاحب کے ہمراہ ان کے گھر تک لے جاتے۔ گھر کے دروازہ سے استاذ صاحب وہ کوزہ ان سے لے لیتے اور نماز تہجد کے لئے اس سے وضو کرتے۔ اتفاقاً ایک رات بارش اور سردی تھی۔ قاضی صاحب حسب معمول کوزہ پانی کا لے کر استاذ صاحب کے ہمراہ ان کے دروازہ تک گئے مگر بارش اور سردی کی وجہ سے استاذ صاحب جلدی سے گھر میں داخل ہو گئے اور کوزہ کا بالکل ان کو خیال ہی نہ رہا اور قاضی صاحب اسی بارش اور سردی میں کوزہ لئے ہوئے دروازہ پر کھڑا رہا۔ نماز تہجد کے لئے جب استاذ صاحب بیدار ہوئے تو کوزہ کو اپنی جگہ مقررہ پر نہ پایا۔ اس وقت ان کو یاد آیا کہ میں نے رات قاضی صاحب سے کوزہ نہیں لیا تھا۔ اس وقت

کوزہ پانی کے لئے باہر جانے لگے۔ جب دروازہ پر پہنچے، دیکھا کہ قاضی صاحب دروازہ پر کوزہ لئے کھڑا ہے۔ استاذ صاحب کو قاضی صاحب کی حالت پر بہت رحم آیا اور نہایت عجز و خلوص سے بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ اے اللہ العالمین! قاضی کو علم نصیب فرما۔ استاذ صاحب کی دعا کی مقبولیت کا یہ اثر ہوا کہ قاضی صاحب بغیر پڑھے کتابیں پڑھانے لگ گئے۔ انتہیٰ۔

حضرت نے ایک دن فرمایا کہ تونسہ مقدسہ میں ایک دفعہ ایک سائل آیا۔ اس کے پاس ایک بڑا سانپ تھا۔ آستانِ مقدس میں درویشوں کو تماشا دکھانے کے لئے اس نے بین بجانی شروع کی۔ سانپ آدھ گز کے اندازہ پر باہر نکل کر بین کی آواز پر مست ہو کر کھڑا تھا کہ اچانک اس بین کی آواز پر کسی صوفی صاحب ذوق کو وجد آ گیا تا آنکہ لوٹتا پھرتا ہوا سانپ کے قریب آ گیا اور اسی وجد کی حالت میں بے اختیار سانپ کی گردن پر ایسا ہاتھ مارا کہ سانپ زمین پر گر گیا سب لوگ ہنسنے لگ گئے کہ اس تماشا سے یہ تماشا زیادہ عجیب ہوا ہے اور سانپ والے نے سانپ کو جلدی جلدی سنبھالا اور کہنے لگا کہ بیکار ہو گیا۔ انتہیٰ۔

حضرت نے ایک دن یہ ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ ایزدی میں بعض اسرار کے متعلق سوال کیا۔ حکم ہوا کہ فلانے جنگل میں فلانے پانی پر چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تعمیل حکم کے لئے وہاں جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس پانی پر ایک سوار آیا اور اس نے وہاں غسل کا ارادہ کیا۔ اس کی کمر میں ایک ہمیانی دیناروں سے بھری ہوئی بندھی تھی۔ اس کو کھول کر کنارہ پر رکھ دیا۔ غسل کے بعد اس کو وہ ہمیانی بھول گئی اور چلا گیا اس کے بعد ایک لڑکا آیا۔ اس نے جب وہ ہمیانی دیکھی، اٹھا کر خوشی سے چلتا بنا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور نابینا شخص آیا۔ اس نے وہاں وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گیا۔ اسی اثنا میں وہ سوار ہمیانی والا واپس لوٹا۔ جب اس نے ہمیانی اپنی جگہ پر نہ پائی تو اس نابینا شخص سے اس نے پوچھا۔ اس نابینا نے کہا کہ میں نے تو نہیں اٹھائی۔ سوار نے کہا کہ تیرے بغیر اور کوئی شخص یہاں آیا نہیں ضرور تو نے ہی اٹھائی ہے۔ اس بات پر آپس میں گفتگو زیادہ ہو گئی حتیٰ کہ اس سوار نے اس نابینا کو قتل کر دیا اور خالی ہاتھ واپس چلا گیا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی کہ اے خداوند! اس میں کیا حکمت تھی۔ جواب ملا کہ یہ اسرار بہت باریک ہیں مگر تیرے سمجھانے کے لئے اتنا بیان کرتے ہیں کہ وہ بچہ جو ہمیانی لے کر چلتا بنا ہے۔ اس کے باپ نے اس سوار کا مکان تعمیر کیا تھا۔ جب مکان تیار ہوا تو وہ معمار گر کر مر گیا اور تعمیر کی اجرت سوار کے ذمہ باقی رہ گئی۔

اس بیانی کے دینار اس اجرت کے مطابق تھے۔ اس بچہ کو اپنا حق مل گیا اور قتل کا راز یہ ہے کہ اس مرد نماز خوان نے اس سوار کے باپ کو قتل کیا تھا اور اس سے قصاص نہیں لیا گیا تھا۔ اب وہ قصاص پورا ہؤا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سر سجدہ میں رکھ دیا۔ اس مقام پر حضرت نے فرمایا کہ اس کو عدل ظلم نما کہتے ہیں۔ انتہیٰ۔

حضرت نے ایک دن ذکر فرمایا کہ ایک مرتبہ دریائے جہلم نے شہر بھیرہ کو بسبب طغیانی کے گرانا شروع کر دیا اہالی شہر اس مصیبت سے گھبرا کر بصورتِ اجتماع میراں صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اور دریا کا حال بیان کیا میراں صاحب نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنا سر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مخلوق کے فائدہ کے لئے قربان کرے تو کام درست ہو جاویگا۔ ایک شخص اس قربانی کے لئے تیار ہو گیا۔ میراں صاحب نے کچھ لکھ کر اس کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ جس جگہ دریا کا زیادہ شور و زور ہو اور گرانا زیادہ ہو۔ وہاں جاکر دریا میں چھلانگ لگاؤ۔ وہ شخص مطابق فرمان دریا میں کود گیا دریا کے اندر اس نے پہنچ کر دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام وہاں ایک چارپائی پر بیٹھے ہیں اور بیلدار اس کنارہ کو کھود رہے ہیں اور خضر علیہ السلام تیزی سے کھودنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ اس شخص نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میراں صاحب کی چٹھی پہنچائی۔ خضر علیہ السلام نے چٹھی پڑھ کر بیلداروں کو حکم دیا کہ اس کنارہ کو چھوڑ دو اور دوسری طرف کام شروع کر دو اور اس شخص کو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر دریا سے باہر جانا چاہتا ہے تو تجھے باہر نکال دیتے ہیں اس نے عرض کی کہ جانا چاہتا ہوں۔ دریا کی ایک موج نے اس کو باہر کنارہ پر پھینک دیا اور اس شخص نے واپس آکر دریا کا ماجرا بیان کیا۔ انتہیٰ۔

حضرت نے ایک دن ذکر فرمایا کہ ایک پراچہ باشندہ مکھڈ کسی ضرورت سے کوہاٹ گیا جب کوہاٹ سے واپس آیا تو اس نے ایک واقعہ کا ذکر کیا کہ میری عادت ہے کہ نماز صبح کے بعد چاشت تک ذکر جہر کرتا ہوں کوہاٹ میں بھی حسب عادت یہی شغل جاری تھا۔ ایک شخص فقیرانہ صورت ہر روز میرے نزدیک آکر کچھ دیر تک بیٹھ کر چلا جاتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ تو ہر روز میرے پاس کیوں آتا ہے کوئی مطلب رکھتا ہے تو بیان کر۔ اس شخص نے کہا کہ میں تجھے بزرگ سمجھتا ہوں۔ میری ایک مشکل ہے۔ شاید تیری توجہ سے حل ہو جاوے۔ میں نے اس کو کہا کہ میں بزرگ تو نہیں ہوں اور یہ ذکر جہر اپنے پیر کے حکم سے کرتا ہوں۔ اس شخص نے اپنا قصہ یوں بیان کیا کہ میں حج بیت اللہ کے ارادہ سے جہاز پر سوار ہؤا۔ اچانک طوفان آیا اور جہاز غرق ہو گیا۔ میں کسی تختہ پر رہ گیا

تین شبانہ روز سمندر میں پھرتا پھرتا رہا۔ اتفاقاً کسی ہوا کے جھونکے نے میرا تختہ کسی پہاڑ کے ساتھ لگا دیا میں اس تختہ سے اتر کر پہاڑ میں داخل ہوا۔ درختوں کے پھل سے گزر اوقات کرتا۔ بدن پر کپڑے نہیں رہے تھے۔ درختوں کے پتوں سے بدن کو ڈھانپا۔ چند دن کے بعد جب بدن میں کچھ طاقت پیدا ہوئی تو اس پہاڑ کی چوٹی پر اس ارادہ سے چڑھا کہ شاید کوئی آبادی نظر آجاوے۔ وہاں سے ایک مکان مجھے نظر آیا میں ادھر روانہ ہوا۔ جب پہنچا تو دیکھا کہ وہ مسجد ہے مگر کوئی آدمی وہاں نہیں ہے۔ میں اسی مسجد میں بیٹھ گیا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو ایک شخص آیا اس نے آکر اذان کہی۔ اس کے بعد شاید آٹھ آدمی اور آگئے۔ انہوں نے نماز باجماعت پڑھی میں بھی ان کی نماز باجماعت میں شریک ہوا۔ نماز سے فارغ ہو کر سب چلے گئے۔ میرے ساتھ کسی نے بھی کوئی بات چیت نہ کی۔ اسی طرح سب نمازوں پر جمع ہو جاتے اور چلے جاتے۔ ان کو غیب سے کھانا ملتا تھا۔ اپنے کھانے سے تھوڑا تھوڑا نکال کر مجھے بھی دے جاتے۔ ایک دن مجھے پورا کھانا دے کر کہا کہ تیرے لئے بھی کھانا غیب سے مقرر ہو گیا ہے۔ اس پاک خوراک اور ان کی صحبت کے اثر سے میرا باطن صفا ہو گیا تا کہ پہاڑ کے پیچھے جو چیزیں تھیں مجھے نظر آنے لگ گئیں۔ ایک دن میں تنہا بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جہاز طوفان میں آ گیا ہے اور عنقریب غرق ہوا چاہتا ہے۔ چونکہ یہ مصیبت میں نے خود اٹھائی ہوئی تھی۔ مجھے ان کے حال پر رحم آ گیا اور میں نے سلامتی جہاز کے لئے جناب باری عز اسمہٗ میں دعا مانگی جو کہ قبول ہو گئی اور جہاز سالم بچ نکلا۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو میرا کھانا نہ آیا۔ انہوں نے اپنے کھانے سے تھوڑا تھوڑا نکال کر مجھے دیا اور مجھ سے پوچھا کہ کس گناہ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا اور تو مجھے علم نہیں۔ یہ بات ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک جہاز غرق ہو رہا ہے۔ اس کی سلامتی کے لئے دعا مانگی۔ انہوں نے کہا کہ یہی گناہ ہے۔ اب تو اس جگہ سے نکل۔ میں نے کہا کہ ہر طرف سمندر ہے۔ کیسے جاؤں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا کہ کہاں جانا چاہتا ہے۔ مجھ نا بس نے اپنے شہر کوہاٹ کا نام لیا۔ اس نے کہا کہ آنکھیں بند کر اور میرے پاؤں پر قدم رکھ۔ میں نے اسی طرح کیا۔ جب آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو کوہاٹ میں پایا۔ اب میں نہایت سرگردان ہوں جس فقیر و بزرگ کو دیکھتا ہوں یا سنتا ہوں اس کے پاس یہی آرزو لے کر جاتا ہوں کہ کوئی مرد خدا مجھے ان بزرگوں کے پاس پہنچا دیوے۔ حضرت نے یہ قصہ بیان فرما کر فرمایا کہ اس مرتبہ کو مرتبہ رضا بالقضا کہتے ہیں۔ انتہیٰ۔

حضرت نے ایک دن ذکر فرمایا کہ میاں غلام محمد نے بیان کیا کہ میرے شہر میں ایک حافظ صاحب درس کلام اللہ

دیتے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ فرصت کے وقت قبرستان میں جاتے جس قبر کو شکستہ دیکھتے اس کی درستی کرتے۔ ایک دن ایک پرانی قبر کو دیکھا کہ خراب پڑی ہے جب اس کے قریب پہنچے تو یہ چیز نظر آئی کہ میت کا جسم سالم ہے اور ایک سیاہ رنگ بچھو اس کے مختلف اعضا پر ڈنگ مار رہا ہے جس وقت وہ بچھو اس کو کاٹتا ہے میت کے پاؤں چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ پھر لمبے ہوتے ہیں۔ پھر کاٹتا ہے پھر چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اس کے ساتھ ہو رہا ہے۔ جب حافظ صاحب نے یہ کیفیت ملاحظہ کی شہر سے اپنے شاگردوں کو بلا لائے اور ان کو فرمایا کہ اللہ کے واسطے ایک ختم قرآن مجید کا کر کے اس کا ثواب اس میت کو بخشو۔ جب ختم بخشا گیا تو حافظ صاحب نے دیکھا کہ بچھو کی سابقہ تندی و تیزی میں کمی واقع ہو گئی ہے مگر ابھی اپنا کام کر رہا ہے۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ ایک ختم قرآن کریم کا اور کر کے اس میت کو بخشو۔ اس عمل کے بعد حافظ صاحب نے دیکھا کہ بچھو چلنے اور کاٹنے سے رک گیا ہے۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ ایک ختم قرآن حمید کا اور کر کے میت کو ثواب بخشو۔ جب تیسرا ختم ہو چکا اور ثواب اس میت کو پہنچایا گیا تو حافظ صاحب نے دیکھا کہ بچھو مر گیا۔ حافظ صاحب نے کسی لکڑی سے اس کو قبر سے باہر پھینک دیا اور قبر کو درست کر دیا۔ انتہیٰ۔

حضرت نے ایک دن ذکر فرمایا کہ دو شخص کسی راستہ پر جا رہے تھے۔ اتفاقاً ان کا گزر کسی پرانی قبر سے ہوا۔ اس قبر میں انہوں نے دیکھا کہ ایک بچھو ہے۔ ایک نے کہا کہ اس کو مارنا چاہیئے۔ دوسرے نے کہا کہ نہیں شاید یہ بچھو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس میت کے عذاب کے لئے مقرر ہو لیکن اس کے ساتھی نے اس شخص کا کہنا نہ مانا اور اس بچھو کے مارنے کے ارادہ سے کوئی چیز اس کی طرف پھینک ماری۔ بچھو اس کی ضرب سے بچ گیا اور مارنے والے پر حملہ آور ہو گیا۔ اس نے بھاگنا شروع کیا مگر بے سود۔ جب وہ شخص بھاگنے سے عاجز ہوا اور اس نے سمجھا کہ یہ بچھو میرا پیچھا نہیں چھوڑتا تو مجبوراً کسی پانی کے تالاب میں جان بچانے کی خاطر گھسا۔ بچھو نے تالاب کے کنارہ پر پہنچ کر اپنا ڈنگ تالاب میں ڈبویا اور واپس ہوا۔ فوراً پانی تالاب کا جوش میں آ گیا اور وہ مرد اس پانی کے اندر ہلاک ہو گیا۔ وہ کوئی ایسی مہلک زہر تھی کہ تالاب کا پانی خشک ہو جانے کے بعد جو کیچڑ رہ گیا۔ وہ کیچڑ اگر کسی جانور کے پاؤں میں لگ جاتا تو اس کے پاؤں گر جاتے۔ انتہیٰ۔

حضرت نے ایک دن ذکر فرمایا کہ کسی شخص نے حضرت پیر دستگیر غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک سے کوئی قیمتی پتھر چرا لیا۔ اس کے بعد حضرت امام اعظم امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر حاضر ہو کر کسی قیمتی چیز کے چرا لینے کا

ارادہ کیا۔ مزار پاک سے منع کی آواز آئی۔ اس وقت رک گیا۔ پھر دوبارہ سہ بارہ جب ارادہ کرتا مزار پاک سے منع کی آواز آجاتی۔ اور رُک جاتا۔ آخیر اس نے اس منع کی آواز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس چیز کو ہاتھ ڈالا۔ اس کا ہاتھ اس چیز کے ساتھ لپیا چمٹ گیا کہ اس سے ہاتھ کو چھڑانے سے وہ عاجز آگیا۔ اس وقت مزار پاک سے آواز آئی کہ پیر صاحب نے اپنی فراخ دلی سے تجھے منع نہیں فرمایا میں تو اپنی چیزیں نہیں اٹھانے دیتا۔ اس وقت اس شخص نے خلوص دل سے توبہ کی تب اسکو نجات ملی۔ انتہی۔

حضرت نے ایک دن ذکر فرمایا کہ میرے نانا صاحب میاں خیر محمد صاحب پاکپٹن شریف کی زیارت کے ارادہ سے گھر سے روانہ ہوئے۔ درمیان راستہ میں ایک جگہ سے دو راستے نکل رہے تھے جو کہ دونوں راستے پاکپٹن شریف پہنچاتے تھے۔ ایک راستہ لمبا تھا اور دوسرا چھوٹا۔ چھوٹے راستہ پر ایک سانپ اڑنے والا مقیم تھا جو کہ اڑ کر سر پر کاٹتا تھا۔ اس وجہ سے وہ راستہ لوگوں نے چھوڑ دیا تھا۔ جب نانا صاحب اس دوراہہ پر پہنچے تو باوجود علم کے اس چھوٹے راستہ کو اختیار کر لیا اور چند شاخیں درخت جال کی ہاتھ میں لے لیں۔ جب سانپ کی جگہ پہنچے اور سانپ پرواز کر کے ان کی جانب آیا تو نانا صاحب نے انہیں شاخوں سے اس کو ہلاک کر دیا اور روانہ ہوئے۔ جب کسی بستی میں پہنچے اور لوگوں نے ان کو اس راستہ سے آتا ہوا دیکھا تو انہوں نے نہایت تعجب سے سانپ کا حال پوچھا۔ نانا صاحب نے فرمایا کہ میں اس کو ہلاک کر آیا ہوں۔ وہ زیادہ متعجب ہوئے۔ بعض اشخاص کو جب ان کے قول پر پورا یقین آگیا تو وہ جگہ قتل کا نشان اُن سے پوچھ کر وہاں گئے اور سانپ کو مردہ پایا۔ اس کا مہرہ لے آئے۔ انتہی

حضرت نے ایک دن ذکر فرمایا کہ شہر آگرہ میں بہت بزرگ گزرے ہیں اور فرمایا کہ ایک بزرگ مدفون تھا۔ ایک دوسرا بزرگ فوت ہوا اس کو اس پہلے بزرگ کے قدموں کے مقابلہ میں دفن کیا گیا۔ اس پہلے بزرگ نے اپنے قدموں کو دوسری طرف پھیر لیا حتیٰ کہ ان کی قبر ابھی تک اس سمت سے پھری ہوئی موجود ہے۔ کوئی دیکھنا چاہے تو جا کر دیکھ سکتا ہے انتہی۔

حضرت نے ایک دفعہ ذکر فرمایا کہ اس شہر گکھڑ میں کوئی شخص فوت ہوا۔ اس کی قبر کھودنے کے لئے پرانے قبرستان میں جو کہ متصل پہاڑی معروف بہ لڑی ہے۔ کھدائی کرنے والے گئے اور قبر کو کھودنا شروع کیا۔ جب کچھ حصہ زمین کا وہ کھود چکے نیچے سے ایک قبر ظاہر ہوئی۔ کھودنے والوں میں ایک سلیمان نام والا حجام بھی تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس پرانی قبر میں ایک شخص سفید ریش دائیں طرف لیٹا ہوا ہے اور اپنے بازو کو کھڑا کر کے سر اپنا اس پر رکھا ہوا ہے اور قرآن مجید اس کے سامنے کھلا ہوا ہے اور مطالعہ میں مشغول ہے۔ سلیمان نے جب اس بزرگ کی زیارت کی تو اپنے اور ساتھیوں کو بھی بلایا

کہ آؤ اس مردِ خدا کی زیارت کرو۔ سب حاضرین اس کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر انہوں نے اس کی قبر کو بند کر کے درست کر دیا۔ سلمان نے ارادہ کیا کہ اس قبر کے گرداگرد حویلی بنا دوں تاکہ یہ قبر ظاہر رہے اور لوگ اس کی زیارت سے مشرف ہوں۔ رات کے وقت خواب میں اس بزرگ نے سلمان کو منع کیا کہ یہ کام نہ کر اور خدا کے لئے میرا راز فاش نہ کر تب سلمان نے یہ ارادہ چھوڑ دیا۔ انتہیٰ۔

حضرت نے ایک دن ذکر فرمایا کہ میاں شرف الدین میاں محمد یار کا باپ ذکر کرتا ہے کہ میں ایک رات روضۂ اقدس حضرت مولانا کا دروازہ مقفل کر کے سامنے صفہ پر بیٹھا ہوا تھا اور چابی میرے پاس تھی اور چاندنی کی روشنی سے رات روشن تھی میں نے دیکھا کہ ایک شخص سفید لباس والا قبرستان کی جانب سے آیا اور روضہ اقدس کے دروازہ پر پہنچکر اس نے ہاتھ سے جندرا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلا اور ہاتھ سے جندرہ کو بند کرتا ہوا قبرستان کی جانب چلا گیا۔ اس واقعہ سے مجھے نہایت تعجب ہوا۔ انتہیٰ۔

حضرت نے ایک دن فرمایا کہ ایک تفسیر جس کا نام نقرہ کار ہے لکھا ہوا ہے کہ اس زمانہ میں کسی شیخ کامل کے ساتھ بیعت کرنی فرض ہے۔ انتہیٰ۔ مثنوی شریف ؎

پیر را بگزیں! کہ بے پیر ایں سفر	ہست بس پر آفت و خوف و خطر!
آں رہے کش بارہا تو رفتۂ	بے قلاوز اندراں آشفتۂ
پس رہے راکہ ندیدستی تو ہیچ	ہیں! مرو تنہا ز رہبر سر مپیچ!
دربدر می گرد و میرد کو بہ کو	جستجو کن! جستجو کن! جستجو

حضرت نے ایک دن فرمایا کہ مجذوبوں کی صحبت سے کوئی فائدہ معتد بہ نہیں ہوتا۔ ان سے غایت فائدہ یہ ہے کہ آپ جیسا کر دیویں۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میاں جان محمد صاحب پنڈی گھیپ والے رمضان شریف میں بتقریب عرس شریف حاضر ہوئے حضرت مولانا کے مزار پاک کی زیارت سے فارغ ہو کر حضرت زینت الاولیاء کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ حضرت نے میاں صاحب موصوف کو خطاب کر کے فرمایا کہ بڑے عرصہ کے بعد آپ تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ بسبب ضعف جسمانی پیدل چلنے سے عاجز ہوں۔ اس لئے حاضری

سے معذور ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ کسی سواری کے ذریعہ سے آپ آجایا کریں۔ اس پر میاں صاحب نے عرض کیا کہ یہاں حاضر ہونا عبادت ہے یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ عبادت ہے۔ میاں صاحب نے عرض کی کہ عبادت میں جتنی تکلیف اٹھائی جاوے بہتر ہے۔ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ اتنی تکلیف بدن پر رکھنی جس سے نفس عبادت ہی رہ جاوے بہتر نہیں پس میاں صاحب چپ اور لاجواب ہو گئے۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ تونسہ مقدسہ میں کسی شخص نے حضرت زینت الاولیاءؒ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ اپنے پیر کے بغیر کسی اور بزرگ سے وظیفہ لینا جائز ہے یا نہ؟ حضرت نے فرمایا کہ جائز نہیں۔ اس شخص نے عرض کی کہ میں نے یہی بات حضرت سیالوی سے بھی پوچھی تھی۔ انہوں نے بھی یہی جواب فرمایا تھا مگر اتنا زیادہ فرمایا کہ اگر بالفرض کسی غیر سے وظیفہ لیوے تو اس کو اپنے پیر کی طرف منسوب کر دے۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے والد ماجد نے حضرت زینت الاولیاءؒ کی خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ مجاز کی کیا حد ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ عشق کی حد پوچھتے ہیں۔ میرے والد نے عرض کی کہ نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ مشائخ عظام جو کسی کو مجاز کرتے ہیں یعنی اس کو بیعت کرنے کی اجازت بخشتے ہیں وہ کس مرتبہ کو پہنچا ہوا ہو۔ تب اس کو اجازت بخشتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ امر شیخ کامل کی مرضی پر موقوف ہے جس کو چاہیں اجازت بخش دیویں۔ پھر اس کو بیعت کرنی جائز ہے۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ ایک تصوف کی کتاب میں دیکھا ہے کہ کسی بزرگ نے کسی اپنے مرید کو بیعت کی اجازت بخشی۔ وہ لوگوں کو بیعت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میرے بعض مریدوں پر ایسے حالات آجاتے ہیں جن سے میں بالکل ناواقف ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ یہ اثر اس بزرگ کی اجازت کا تھا۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن کسی شخص نے حضرت زینت الاولیاءؒ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ میرے لڑکے کا ارادہ تھا کہ قدم بوسی کر کے حضرت سے وظیفہ حاصل کرے مگر حضرت کے خادم میاں سلطان سے اس نے وظیفہ لے لیا۔ اس بات پر حضرت نے غصہ ہو کر فرمایا کہ میاں سلطان کو کس نے اجازت دی ہے۔ میں نے تو اس کو اجازت نہیں دی۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھ سے وظائف فرمودہ حضرت کے ادا کرنے میں سستی اور غفلت ہو گئی۔

اس کی وجہ سے مجھے خیالات باطلہ پیدا ہونے شروع ہو گئے اور کسی حیلہ سے دفع نہیں ہوتے تھے میں نے لاچار ہو کر حضرت کی خدمت اقدس میں عرض گزاری۔ حضرت نے میرا حال سن کر فوراً فرمایا کہ "گندیا! وظائف میں تو نے نقصان کیا ہے" پھر حضرت نے فرمایا کہ ایک تسبیح اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ وَاَسْئَلُهُ التَّوْبَةَ ہر نماز کے بعد پڑھ۔ میں نے اس تسبیح کو پڑھنا شروع کیا۔ دوسرے دن تک سب خیالات فاسد رفع ہو گئے۔ الحمد للہ۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص غلام محمد نام ساکن ککھڈ نے حضرت زینت الاولیاء رضی کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ بعض ایام میں میری طبیعت وظائف پڑھنے سے متنفر ہو جاتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کو ایام قبض کہتے ہیں اور ہر انسان پر آجاتے ہیں۔ ان ایام میں وظیفہ چھوڑنا نہ چاہئے۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت کی مجلس پاک میں کیمیاگری کے متعلق ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ اپنے مردانِ خاص کو کیمیاگری نہیں سکھلاتا۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت کی مجلس پاک میں غیرتِ اولیاء اللہ میں کلام چل رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ ولی اللہ کی غیرت خدا تعالیٰ کی غیرت سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ انتہیٰ۔

صاحب تذکرہ راقم آثم کے پیرو مرشد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص محمد اعظم قوم موچی ساکن موضع کانی جو کہ حضرت کا غلام تھا ککھڈ آیا اور مجھ سے سوال کیا کہ پیر کا حق مقدم ہے یا باپ کا؟ میں نے اس کو جواب دیا کہ باپ کا حق مقدم ہے۔ اس کے بعد اس نے حضرت سے یہ مسئلہ پوچھا۔ حضرت نے فرمایا کہ پیر کا حق مقدم ہے۔ انتہیٰ۔

نواں ذکر

متعلق وصالِ حضرتِ خواجہ رح

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ حضرت کے وصال سے تخمیناً چار سال پہلے بذریعہ خط کسی شخص نے حضرت سے استفسار کیا کہ حضرت کی عمر شریف کتنی ہے؟ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ میری عمر تخمیناً اسی سال یا چار

سال زیادہ یا چار سال کم ہے۔ اس حساب سے حضرت کی مجموعہ عمر شریف اسی سال یا چوراسی سال یا اٹھاسی سال ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ بات پہلے تذکرۃ الاولیٰ میں بیان کی جا چکی ہے کہ خلیفہ محمد عابد جی کے وصال کے بعد حضرت اعلیٰ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زینت الاولیاءؓ کو تکھدے سے طلب فرما کر حضرت مولنا کا قائم مقام و سجادہ نشین مقرر فرمایا۔ حضرت خواجہ نے تقریباً تینتیس سال مسند ارشاد پر جلوہ افروز رہ کر خلق خدا کو فیض ظاہری و باطنی سے مالا مال فرما کر ۱۲۹۵-۹۶ھ ۱۳ ارمحرم منگل کی رات بوقت اول عشا موسم سردی میں بوجہ عارضہ بخار بارہ دری شریف کے اندر والے حجرہ مبارکہ میں داعی اجل کو لبیک فرما کر جان عزیز جان جاناں کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولوی عبد اللہ صاحب گکیانی نے مادہ تاریخ غَابَ نُوْرُ اللّٰہِ مقرر فرما کر ایک نظم میں درج کیا اور وہ نظم روضہ اقدس میں حضرت خواجہ کے مزار پاک سے شرقی دیوار میں مرقوم ہوئی اور اس مادہ کے اوپر ہندسہ میں ۱۲۹۵ سنہ لکھا گیا جو کافی عرصہ تک یہی مادہ اور ہندسہ مرقوم رہے لیکن صاحب تذکرہ نے اسی مادہ کو ذکر فرما کر ہندسہ میں ۱۲۹۶ سنہ اخذ کیا ہے اگر "اللہ" کے لام کے بعد الف اعتبار کیا جاوے تو یہ ۹۶ سنہ ہو سکتا ہے۔ اگر وہاں الف اعتبار نہ کیا جاوے تو پھر ۹۵ سنہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اب تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ راقم آثم نے اس سابقہ نظم کی جگہ پر یہ نظم لکھوائی ہے: ؎

خواجہ ما حضور زین الدین	شدہ کامل ز فیض ایں شہ دیں
تاج پوشے ز شاہ سلیمان شد	نائب ایں ولی دوراں شد
در کمالات عشق فائق شد	فیض بخش ہمہ خلائق شد
جان پاکش ندائے ارجعی بشنید	کرد پرواز سوئے عرش مجید
گفت ہاتف وصال زین الدین	صاحب الکمال شیخ زین الدین

کسی صاحب نے ان دو اخیر شعروں کی یہ اصلاح فرمائی ہے ؎

جانش آواز "ارجعی" چو شنید	گفت لبیک و سوئے عرش پرید
گفت ہاتف ز تحت عرش عظیم	مقعد صدق یافت و قرب علیم

صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت خواجہ کے وصال کے وقت حاضر تھا۔ جب میں نے وصال سے

تھوڑی دیر پہلے حضرت کے چہرہ مبارک پر نظر کی تو ایسے نظر آیا کہ حضرت کا چہرہ مبارک سبز رنگ مائل سرخی پر توانگن ہے اور پسینہ کی وجہ سے ایسا نظر آتا ہے جیسا کہ گلاب کے پتے پر شبنم پڑی ہو۔ اس وقت میں سخت غم میں مبتلا ہو گیا۔ وصال سے بعد جب میں نے دیکھا تو چہرہ منور محض زرد ہو گیا اور بینی مبارک داہنی طرف جھک گئی۔ صبح حضرت کو بوجہ ازدحام مخلوقات و تنگی حجرہ مبارکہ کے باہر والی بارہ دری میں لے آئے۔ چاشت کے بعد اس مقام کے متصل جہاں حضرت مولٰنا کو غسل دیا گیا تھا حضرت خواجہ کو غسل دیا گیا اور کفن لٹھا کا حضرت کو پہنایا گیا اور جو دستار مبارک کہ حضرت صاحب نے حضرت خواجہ کے سر مبارک پر سجادگی کے وقت باندھی تھی وہی دستار مبارک بموجب وصیت حضرت کے سر مبارک پر باندھی گئی۔ ظہر کے وقت روضہ اقدس کے حرم میں مولوی برہان الدین صاحب بنوچی نے کہ مرد عالم وفقیہ تھے نماز جنازہ کی امامت کی۔ ایک ہزار سے زیادہ مخلوق نماز جنازہ پر حاضر تھی۔ ادائیگی نماز کے بعد حضرت کو روضہ مقدسہ کے اندر حضرت مولٰنا سے جانب مشرق نماز عصر سے پہلے سپرد خاک کیا گیا: انا للہ وانا الیہ راجعون

اب یہاں چند ابیات و غزلیات جو حضرت کی مدح و شان میں بعض غلامان نے لکھی ہیں جن کا علم راقم آثم کو ہوا ہے انکا لکھ دینا ضروری ہے۔ ایک رباعی راقم آثم نے اپنے پیرو مرشد کی زبان مبارک سے سنی تھی وہ یہ ہے:

خواجۂ عالی مقام و قطب دیں	اِنَّنِیْ فَاخِرٌ بِزَیْنِ الدِّیْنِ
یَتَشَبَّثُ بِحَبْلِ زَیْنِ الدِّیْنِ	در جنت کشادہ آں کس را

(بیشک میں فخر کرنے والا ہوں۔ ساتھ غلامی زین الدینؒ کے جو کہ خواجہ بلند مقام والا اور دین کا قطب ہے بہشت کا دروازہ اس شخص کے لئے کھلا ہے جو کہ خواجہ زین الدینؒ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے)

یہ رباعی عالم شاہ گجراتی کی تصنیف ہے اور یہ بھی راقم آثم نے حضرت پیرو مرشد سے سنی ہے۔ کچھ تبدیلی کے ساتھ ؎

ہر کہ منکر اوست یدبرا زیزید	شاہ زین الدین ثانی بایزیدؒ
لعنۃ اللہ علیہم اجمعین	بعضے اہل شہر مثل آں لعیں

دو غزلیں مولوی سلطان محمود صاحب بندیالی تخلص نامی کی ہیں:

اوّل

زیں جان زار بد رمال خبر کنید	جانم بہ لب رسیدہ بجاناں خبر کنید

در طوق بندگیش چو قمری مطوّقم — ہر بار پیش سرو خراماں خبر کنید
شد مدّتے کہ بردرِ نامی مجاورم — از حالِ سفتہ گوش بسلطاں خبر کنید

دوم

ز جانِ خود پیئے جاناں کبابے کردہ ام پیدا — بجامِ پردۂ دل خوں شرابے کردہ ام پیدا
بہ چشمِ من دمادم چوں خیالِ یار می آید ، — بپاشوئیش از چشم گلابے کردہ ام پیدا
بجانم بوئے زلفش گر بدست آید خریدارم — دو عالم را بہ یک دیدن نصابے کردہ ام پیدا
پئے پنہانئِ گنجِ خیالِ روئے جانانم — دلے پرورده معمورم خرابے کردہ ام پیدا
ز مہرِ شمع روئے او کہ سر پروانہ می دارد! — بجانِ پر تف و پر تاب تابے کردہ ام پیدا
زمن پرسید نامی کز کجائی و کدام ہستی؟ — غلامِ شاہ زین الدین جوابے کردہ ام پیدا

مولوی نامی صاحب کی ایک غزل ہندی بھی ہے۔ اس کو بھی درج کیا جاتا ہے امید کہ صاحب ذوق اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ یہ ہے :

سنیو وے لوکو! ایہ گلی شاہ زین الدین کھڈیاں میں

یار یاراں وچ رل مل باہندے — سوہنے یار نظر نہیں آندے
دیکھن کارن دل ترساندے — عشق سڑے غم لڈیاں میں

سنیو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عشق ماہی دا شیر چھپیتا — سر میڈڑے تے حملہ کیتا
ماس کھادا تن لہو پیتا — ہن رہیاں مُٹھ ہڈیاں میں

سنیو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کوجھی کملی تے بد رنگیاں — سوہنا پیر تیڈڑے لڑ لگیاں
آپے دیویں توں اسر گیاں — ہن وسار کیوں چھڈیاں میں

سنیو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نام نامی دا راگ جو گاواں تیڈے نام دا ورد کماواں
ہکے نام تے من پرچاواں تیڈے ناویں سڈیاں ہیں

سینو ....

مولوی غلام حسین صاحب تنولی کی یہ دو غزلیں ہیں:

اوّل

اے دل برو بحضرت سلطان زین الدین گوہر حقیقتے طلب از کانِ زین الدین
اکسیر عشق را متلاشی شدستۂ در سوق عالم است بدکانِ زین الدین
اندر ازل کہ بخشش مئے داعشق رسید اکنوں چساں گنہ ازم داماں زین الدین
دربانِ بہشت رضواں بودن نمی بخواہد آنکس کہ کرد درباں دربانِ زین الدین
سگوارا ایں غلامم کہ کہ داست بس فغاں
شاید کہ بشنوند غلامانِ زین الدینؒ

دُوم

چہ شور انداخت درجانم جمال شیخ زین الدین چہ رعب افتاد درجاں از جلال شیخ زین الدین
بجاں اندر خیال او چو جاں در جسم می دارم خیالِ او خیالِ من خیال شیخ زین الدین
اگر خواہی وصالِ حق، شنو از صدقِ دل، جانم! وصالِ حق بداں اندر وصالِ شیخ زین الدین
نداند چشم ظاہر بیں کمال پیرِ من، ہرگز ببیں از دیدہ مجنوں، کمالِ شیخ زین الدین
بظاہر گرچہ می مشکے است و در معنی چو خور تاباں بباطن یوسفِ ثانی جمالِ شیخ زین الدین
نہالِ باغِ جواں خوانم قد و بالائے موزونش عجب زیبا است و بس رعنا نہالِ شیخ زین الدین
غلاما مطلب خود گو، از ایں اشعار ناموزوں
کہ آرد یاد در بزمش قوال شیخ زین الدینؒ

دسواں ذکر

حضرت خواجہؒ کے اولاد و احفاد کے بیان میں

معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت خواجہ کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھے۔ سب سے عمر میں بڑی صاحبزادی صاحبہ بی بی غلام فاطمہ صاحبہ تھیں۔ ان کی شادی حضرت خواجہؒ نے راقم آثم کے جدّ امجد میاں محمد صاحب کے ساتھ کر دی۔ ان سے ان کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں تینوں صاحبزادیاں خوردسالی میں فوت ہو گئیں اور ایک صاحبزادہ غلام محمد صاحب بھی خوردسالی میں فوت ہو گئے۔ دوسرا صاحبزادہ حضرت خواجہ غلام محی الدین احمد صاحب راقم آثم کے والد بزرگوار و پیر و مرشد۔ تیسرے صاحبزادہ حضرت مولانا شمس الدین صاحب راقم آثم کے عمّ بزرگ یہ صاحبزادی صاحبہ حضرت کی حیات ظاہری میں فوت ہو گئیں۔ اور مزار روضہ مبارک کے قریب گوشہ شرقی جنوبی میں ایک چھوٹی سی حویلی میں واقع ہے۔ اور ان کی والدہ ماجدہ یعنی حرم محترم حضرت خواجہ کی وفات حضرت کے وصال سے کئی سال بعد جب ہوئی تو ان کا مزار صاحبزادی صاحبہ کے ساتھ جانب غرب بنایا گیا۔

حضرت خواجہ کے ایک صاحبزادے سراج الدین صاحب خوردسالی میں حضرت کے سامنے فوت ہو گئے۔ ان کا مزار روضہ اطہر سے شرقی جانب واقع ہے۔ دوسرے صاحبزادہ حضرت خواجہ محکم الدین صاحب جو اٹھاراں سال کی عمر تک پہنچ کر ۱۲۷۰ھ میں حضرت کو داغ مفارقت دے گئے ان کا مزار روضہ اطہر سے غربی جانب متصل دیوار غربی واقع ہے۔

یہ ذکر منقسم ہے اوپر تین قسم کے:

قسم اوّل

حضرت خواجہ محکم الدین صاحب کے متعلق!

حضرت صاحبزادہ صاحب کی بیعت حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھی اور اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ کی خدمت میں تحصیل علم میں مشغول تھے۔ صاحب تذکرہ فرماتے ہیں کہ

ایک دن حضرت نے فرمایا کہ میاں عبدالقدوس لائق طالب علم تھا اور اسباق کا مطالعہ بھی کرتا تھا اور محکم الدین باوجود اس بات کے کہ مطالعہ بھی نہیں کرتا تھا مگر سبق پڑھنے کے وقت عبدالقدوس سے زیادہ سمجھ داری سے سبق پڑھتا تھا۔

ایک دن حضرت نے فرمایا کہ محکم الدین اپنے سر اور منہ پر بوجہ حیا کے چادر لپیٹ کر میرے پاس سبق پڑھنے یا روٹی کھانے کے لئے آتا تھا۔ ایک دن جب میں نے نگاہ کی، مجھے اس کے سر پر بال نظر آئے۔ میں نے کہا تو نے سر پر بال رکھے ہوئے ہیں۔ خاموش ہو گیا۔ دوسرے دن جب میں نے دیکھا اس کا سر منڈا ہوا تھا۔ میری عدم رضا معلوم کر کے اس نے فوراً بال منڈوا ڈالے۔

حضرت نے ایک دن فرمایا کہ محکم الدین کو اگر بازار سے گذرنے کا اتفاق ہو جاتا ہے تو اپنے سر پر چادر کو مثل برقعہ کے ڈال کر گذرتا ہے۔

حضرت نے ایک دن فرمایا کہ محکم الدین کی وفات سے تھوڑے دن بعد میاں محمد دکھان جیجی والے نے قبر کو پختہ بنانے کے ارادہ سے سابقہ مٹی کو جو کہ قبر کے اوپر تھی اس نے قبر سے ہٹایا۔ ہرچند کہ اس کو لوگوں نے منع کیا مگر اس نے سب مٹی ہٹائی حتیٰ کہ قبر کے پتھر جن سے قبر کو بند کیا جاتا ہے ظاہر ہو گئے۔ اس وقت سب حاضرین کو ایک ایسی خوشبو محسوس ہوئی کہ جس کی وجہ سے سب حاضرین نے یہ گمان کیا کہ شاید حضرت نے صاحبزادہ صاحب کی قبر میں گلاب کی بوتلیں الٹی ہیں۔ قاضی مصطفیٰ لشکر پڑی والا بھی وہاں موجود تھا۔ اس کو بھی ایسا گمان ہوا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب یہ خبر مجھ تک پہنچی تو میں نے کہا کہ کسی نے بھی گلاب کی بوتلیں قبر میں نہیں الٹیں۔ اس مٹی کو صفہ میں ایک جانب جمع کیا گیا۔ جب تک نمناک رہی وہ خوشبو اس سے آتی رہی۔ جب خشک ہو گئی تو پھر اس میں وہ خوشبو نہ رہی۔

حضرت نے ایک دن فرمایا کہ محکم الدین کی وفات کے بعد جب خیرات کی گئی تو ہر قسم کے طعام، روٹی گوشت حلوا تیار کیا گیا۔ کھانے والوں سے سب چیزیں بچ گئیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ محکم الدین بیچارہ بزرگ تھا۔

صاحب تذکرہ نے راقم آثم کے پیر و مرشد سے نقل کیا اور راقم آثم نے بلاواسطہ اپنے پیر و مرشد کی زبان مبارک سے بھی سنا کہ ایک شخص خیر علی نام حجام تھا۔ اس کو ایک دن حضرت نے بلا کر فرمایا کہ محکم الدین والا واقعہ کس طرح تھا۔ اس نے عرض کی کہ قرض سے تنگ آ کر میں نے ایک دن ان کے مزار پاک پر عرض کی کہ ظاہری

زندگی میں آپ کی میرے ساتھ دوستی تھی۔ اب قرض سے نہایت تنگ آگیا ہوں۔ آپ مہربانی فرماکر پرانی دوستی کو مدّنظر رکھ کر میری امداد فرمائیں کہ قرض سے فارغ ہو جاؤں۔ اس کے بعد میں شہر کی جانب روانہ ہوا۔ درمیان راہ میں کسی درخت بیر کے پاس مجھے ایک سفید کپڑا نظر آیا۔ میں نے جب اس کو اٹھا کر کھولا تو میں نے دیکھا کہ میرے قرض کے برابر اس میں روپیہ موجود ہیں۔ میں نے سمجھا کہ صاحبزادہ صاحب کی امداد پہنچ گئی۔ الحمد للّٰہ۔

راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد کی زبان مبارک سے سنا کہ جب وفات کے بعد حضرت نے صاحبزادہ صاحب کو دیکھا تو فرمایا کہ مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ میرے محکم الدین کی ڈاڑھی اتر آئی ہے۔ میرے سامنے حیا کی وجہ سے کبھی اس نے اپنا منہ نہ کھولا تھا۔

صاحبزادہ صاحب وفات کے ایام میں قطبی پڑھتے تھے۔ ان کی وفات ۱۲۷۶ھ بروز سوموار بائیس شوال واقع ہوئی۔ ان کی وفات کا حضرت کے دل مبارک پر کافی اثر تھا۔ راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد کی زبان مبارک سے سنا کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ مولوی شمس الدین صاحب سیالوی فرماتے ہیں کہ میں تو ابھی طاقت ور ہوں اور حضرت بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا "کہ جو مصیبت میرے سر پر آئی ہے کہ میرا جوان بیٹا فوت ہو گیا ہے۔ اگر ایسی مصیبت اُن کے سر پر آتی تو پھر مقابلہ کا پتہ لگتا۔" انتہیٰ۔

قسم دُوسرا

متعلق حالات پیر و مرشد والد بزرگوار راقم آثم اعنی حضرت مولٰنا خواجہ غلام محی الدین احمد نور اللّٰہ مرقدہٗ شریفہ

یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حضرت پیر و مرشد راقم آثم حضرت زینت الاولیاؒ کے نواسہ تھے۔ حضرت موصوف کے والد ماجد کا اسم مبارک میاں محمدؐ ہے اور جدّ امجد کا اسم مبارک حافظ محمد محسن ہے۔ حافظ محمد محسن صاحب مکھڈ میں تشریف لاکر مقیم ہوئے۔ حافظ صاحب کے والد ماجد کا اسم مبارک مولوی ابراہیم صاحب، ان کا مسکن تھوا محرم خاں واقع تحصیل تلہ گنگ ہے۔ آپ کا مزارِ مقدس بھی اسی جگہ ہے۔ آپ کے تین صاحبزادہ تھے۔ ایک حافظ محمد محسن صاحب۔ دوسرے مولوی غلام حسن صاحب۔ یہ دونوں عینی بھائی تھے۔ تیسرے محمد اکرم صاحب ان کی ماں الگ تھی۔ مخالفتِ زمانہ کی وجہ سے یہ دونوں بھائی والد ماجد سے رخصت ہو کر ادھر ادھر چلے گئے۔ حضرت

حافظ محمد محسن صاحب علاقہ نرڑا میں ایک قصبہ ترنگ میلا ہے وہاں آ کر مقیم ہوئے اور مولوی غلام حسن صاحب علاقہ سرگودھا موضع لیلانی میں جا کر سکونت پذیر ہوئے۔ محمد اکرم صاحب والد بزرگوار کے ساتھ رہے مگر والد کی وفات کے بعد وہ بھی اس وطن کو چھوڑ کر موضع ڈھڈیاں میں جا کر سکونت پذیر ہوئے اور تھوا کی جائداد مکان اور زمین مزروعہ سب ضائع ہو گئی۔ جدّ امجد حافظ صاحب چند عرصہ ترنگ میلہ میں مقیم رہے حتیٰ کہ ہماری ایک دادی صاحبہ کا وہاں انتقال ہُوا۔ ان کا مزار وہاں ہے۔ اس کے بعد مکھڈ تشریف لا کر بازار والی مسجد میں مقیم ہوئے اور درس کلام اللہ دینا شروع کیا۔ بہت لوگ ان سے فیض یاب ہوئے۔ ہماری لیلانی والی برادری اپنا سلسلہ نسب قطب شاہ سے ملا کر اپنے آپ کو اعوان سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم عند اللہ۔ ان کا بھیجا ہُوا شجرۂ نسب موجود ہے۔ راقم آثم ابھی تک اس شجرۂ نسب کی صحیح تحقیق نہیں کر سکا۔ ہاں البتہ یہ بات تسلی بخش اور شجرہ کی تصدیق کنندہ ہے کہ حضرت والد بزرگوار نے سرکاری کاغذات مال میں اپنے آپ کو اعوان درج کرایا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ جدّ امجد حافظ صاحب خلقِ خدا کی بہت خدمت کرتے تھے۔ مشک رکھی ہوتی تھی۔ بھر کر لوگوں کو پانی پلاتے، راستہ جو خراب ہوتا اس کو درست فرماتے مسافر مسجد میں آ جاتا تو چکی اپنے پاس رکھی ہوتی۔ آٹا پیس کر کسی سے روٹی پکوا کر اس کو لا دیتے اور اپنے صاحبزادہ میاں محمد صاحب کو جو کہ حضرت زینت الاولیاءؒ کی خدمت اقدس میں شغل تعلّم کا رکھتے تھے۔ فرماتے کہ ان اینٹوں یعنی کتابوں میں کچھ نہیں ہے خلقِ خدا کی خدمت کیا کرو۔

راقم آثم نے حاجی عبدالکریم پوستی سے سنا جو کہ جدامجد کا شاگرد تھا کہتا تھا کہ میں نے حافظ صاحب سے پندرہ سیپارے ناظرے پڑھے تھے۔ ایک دن صبح کو مجھے پکڑ کر میرے والد کے پاس لے آئے۔ اس کو فرمانے لگے۔ میاں عبدالرحمٰن! میں نے تیرے بیٹے کو پندرہ سیپارے ناظرے پڑھائے ہیں لیکن حافظوں سے اس کو اچھے آتے ہیں۔ اب اس کو سنبھالو اور جس کے پاس تمہاری مرضی ہو تعلیم کے لئے چھوڑ دو۔ میرے والد نے نہ سمجھا کہ یہ کیوں فرما رہے ہیں۔ کوئی ناراضگی آ گئی ہے یا کیا وجہ ہے۔ رات عشا کی نماز جب پڑھا چکے تو سب مقتدیوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ حیاتی کا کوئی اعتبار نہیں ہے کسی کو کوئی ناراضگی ہو تو معاف کر دیوے۔ سب نے یہی خیال کیا، کہ ویسے فرما رہے ہیں۔ کیونکہ ظاہری طور پر کوئی تکلیف بیماری وغیرہ نہ تھی۔ جب صبح نماز کے لئے سب حاضر

ہوئے تو حافظ صاحب کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ کھٹکھٹایا، کوئی جواب نہ آیا۔ جب دروازہ توڑا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ وصال پا چکے ہیں۔ جدِّ امجد میاں محمد صاحب جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے، حضرت زینت الاولیاؒ کی خدمت میں علم کے پڑھنے میں مشغول رہے۔ تا کہ حضرت نے کمالِ کرم سے اپنی صاحبزادی صاحبہ بی بی غلام فاطمہ صاحبہ کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا جن کی ساری اولاد کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ والد بزرگوار کو عبادتِ الٰہی کا بہت ذوق و شوق تھا۔ حتّٰی کہ ساری رات بیٹھ کر بڑے درود شریف صلوٰۃ تنجینا کا ورد لاکھ پورا کر لیتے اور ایک مرتبہ والد بزرگوار نے بالکل کھانا بند کر دیا۔ چند دن اسی طرح گزر گئے۔ جدِّ امجد حافظ صاحب نے بہت اصرار کیا مگر انہوں نے کچھ نہ کھایا۔ اخیر جدِّ امجد نے حضرت زینت الاولیاؒ کی خدمت میں عرض گزاری کہ کتنے دن ہو گئے کہ میاں محمد نے بالکل کسی چیز کو نہیں کھایا۔ آپ اس کو فرماویں کہ بالکل ترکِ طعام نہ کرے۔ چنانچہ حضرت کے فرمان سے والد بزرگوار نے کچھ تھوڑی سی روٹی کھائی۔ اس کھانے کی وجہ سے بخار ہو گیا۔ اور پیر و مرشدم فرماتے تھے کہ والد بزرگوار ہر رات بلا ناغہ لڑسی والا شہید اور شہر میں جو قبریں بزرگوں کی باقی ہیں ان کے پاس جا کر فاتحہ خوانی کرتے۔ ایک دفعہ والد بزرگوار بیمار ہو گئے تو فرمانے لگے کہ یہ تینوں صاحب میری عیادت کے لئے میرے پاس آئے اور مجھے انہوں نے علاج بھی بتلایا ہے۔

صاحبِ تذکرہ لکھتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات باپ بیٹا کی بیعت حضرت خواجہ خواجگان حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھی۔

القصہ حضرت پیر و مرشدم والد بزرگوار کی والدہ ماجدہ پہلے فوت ہو گئیں۔ پھر والد ماجد بھی مرضِ ہیضہ وبائی میں مبتلا ہو کر دارِ فانی کو چھوڑ گئے۔ راقم آثم نے اپنے پیر و مرشد کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ شہر میں ہیضہ وبائی صورت میں تھا۔ کوئی شخص اسی مرض سے فوت ہوا۔ والد بزرگوار اس کے جنازہ کے ساتھ تشریف لائے۔ جب شہر کی جانب واپس روانہ ہوئے۔ راستہ میں مرض میں گرفتار ہو کر انتقال فرما گئے اور فرماتے تھے کہ ہم دونوں بھائی اس وقت چھوٹے بچے تھے۔ کسی نے وفات کے وقت والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کی کہ ان بچوں کو کس کے حوالہ کئے جاتے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ میں ان کو اللہ جل شانہٗ کے حوالہ کرتا ہوں۔ وہی ان کا کفیل ہے فرماتے تھے کہ والد بزرگوار نے ہم کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو کسی وقت کسی کا محتاج نہ کیا۔ حضرت جدِّ امجد

کا مزار خواجہ محکم الدین کے متصل جانب غرب بنایا گیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت پیرو مرشدم والد بزرگوار و عم بزرگوار اپنے جدّ امجد حضرت حافظ محمد محسن صاحب کے زیر تربیت رہے۔ چند عرصہ بعد حضرت زینت الاولیاؒ کی حیات ظاہری میں حافظ صاحب بھی انتقال فرما گئے۔ ان کا مزار موجودہ مسجد کے متصل جانب جنوب قریب مینارہ جنوبی کے واقع ہے۔ اب صرف اللہ جل شانہٗ کا اور حضرت زینت الاولیاؒ کے رحم و کرم کا بھروسہ تھا۔ چنانچہ دونوں حضرت کے زیر سایہ تعلیم علوم دینیہ میں مشغول ہو گئے۔

صاحب تذکرہ لکھتے ہیں کہ حضرت زینت الاولیاؒ کے ایام وصال میں حضرت پیرو مرشدم کی عمر شریف بیس سال کے قریب تھی اور اس وقت دونوں بھائی والدم بزرگوار و عم بزرگوار موضع بھٹو قریب فتح جنگ میں مولوی محمد قاسم صاحب کے پاس پڑھتے تھے۔ حضرت والدم بزرگوار اس وقت شرح ملا جامی و عبد الغفور پڑھتے تھے۔ حضرت کے وصال سے چھٹے دن اطلاع ملنے پر مکھڈ پہنچے۔ حضرت کا وصال تیرہ محرم ہوا ہے۔ اسی سال ماہ صفر میں تونسہ مقدسہ میں حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف پر حاضر ہوئے۔ حضرت غریب نواز حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والد بزرگوار کو رسمی دستار بندی کرائی۔ جب دوسرے سال اسی موقع پر حاضر ہوئے، تو حضرت صاحب نے خلافت عطا فرما کر بیعت کی اجازت بخشی اور حضرت مولاناؒ کی جانشینی کے منصب سے فائز فرمایا۔

صاحب تذکرہ لکھتے ہیں کہ حضرت پیرو مرشدم والد بزرگوار عرصہ دہ سال تخمیناً حضرت کے وصال کے بعد علم ظاہری کی تحصیل میں مختلف اساتذہ سے مشغول رہے۔ اس کے بعد ۱۳۰۵ھ میں فارغ التحصیل ہو کر علم ظاہری و باطنی کا فیضان طلاب اور مسترشدین پر جاری فرمایا۔ حضرت پیرو مرشدم کے استاذ مولوی محمد قاسم صاحب بھٹو والے تھے اور مولوی خورشید[۲] صاحب لنگڑیال والے اور حافظ عبد القدوس[۳] صاحب چھچھ والے اور مولوی خان محمد[۴] صاحب مرجان والے جو کہ مسجد جادی خیل والی میں رہائش رکھتے تھے۔ علاوہ اس کے حضرت والد بزرگوار درمیان میں ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ وہاں بھی کچھ تحصیل علوم فرماتے رہے۔ مکھڈ حضرت مولاناؒ کا مدرسہ حضرت والد بزرگوار کی حیات ظاہری میں پہلے کی طرح اپنی پوری آب و تاب سے روشن رہا۔ دور دور سے افغانستان، بخارا وغیرہ علاقوں سے طالب علم حاضر ہو کر اس چشمۂ فیض سے بہرہ ور ہوتے اور فارغ التحصیل ہو کر اپنے ملکوں میں

جا کر اس فیض کو جاری کرتے۔

صاحب تذکرہ لکھتے ہیں کہ حضرت پیر و مرشدم کو بظاہر خلافت حضور کریم حضرت محبوب ذی العرش خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہوئی مگر درحقیقت حضرت زینت الاولیاؒ کا منشائے مبارک بھی یہی تھا۔ اس کے متعلق پیر و مرشدم سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں اور یہ بات راقم آثم نے خود بھی حضرت پیر و مرشد کی زبان مبارک سے سُنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ مدت یہ عادت بنائی ہوئی تھی کہ نماز عشا کے بعد جب استراحت کے لئے قدر دراز فرماتے تو میں حاضر ہو کر حضرتؒ کے پاؤں اور اندام مبارک کو دباتا تھا۔ استاذ قریشی صاحب ساکن تراپ جو کہ خاص مقربین سے تھے اور حضرت کی ان پر کمال شفقت تھی۔ ان ایام میں اپنے قصبہ تراپ میں کسی ضرورت کے ماتحت تشریف لے گئے تھے۔ اتفاقاً بنگلہ شریفہ میں ایک رات حضرت کے پاؤں مبارک دبانے میں صرف میں اکیلا حاضر تھا اور کوئی شخص غلامان سے حاضر نہ تھا میرے دل میں اچانک یہ خطرہ گذرا وہ یہ کہ حضرت اب بہت نحیف و کمزور ہو گئے ہیں اور استاذ قریشی صاحب پر حضرت کی خاص طور پر نظر شفقت و عنایت ہے امید کہ آپ ان کو اپنا نائب جانشین مقرر فرماویں گے بمجرد خطور اس خطرہ کے حضرت نے اپنا سر مبارک اٹھا کر میرے قریب لا کر فرمایا "قریشی سو ہرا تقینا ہے" و تین دفعہ حضرت نے اس کلمہ کو دہرایا جس سے مجھے ندامت حاصل ہوئی تو یہ قصہ اس حقیقت پر روشن دلیل ہے۔ حضور کریم حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب کی خصوصی نظر عنایت حضرت پیر و مرشدم پر مبذول تھی حتی کہ حضور کریم کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو بذریعہ سرافراز نامہ حضرت پیر و مرشدم کو اطلاع فرماتے کہ میں فلانی تاریخ فلانی سمت روانہ ہونگا۔ چنانچہ حضرت والد بزرگوار اس سرافراز نامہ کو دعوت نامہ سمجھ کر فوراً حاضر ہو جاتے چنانچہ جب حضرت حضور کریم نے ۱۲۹۹ھ میں حج بیت اللہ و زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ فرمایا تو حسب عادت شریفہ حضور کریم نے اطلاع سے سرفرازی بخشی اور حضرت پیر و مرشدم نے بھی فوری تعمیل کی کوشش کی لیکن اس وقت حضرت پیر و مرشدم کی نانی صاحبہ حرم محترم حضرت زینت الاولیاؒ قید حیات میں تھے ان سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے اجازت میں کچھ تامل کیا۔ آخر چند دن کے بعد انہوں نے اجازت بخشی مگر اتنے تک حضور کریم بمبئی سے جہاز پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے مگر اپنے غلام کو جس کا نام آتش خان تھا اور بمبئی میں حضور کی روانگی وغیرہ کا سارا انتظام اسی نے کیا تھا۔ اس کو روانگی کے وقت فرما گئے تھے کہ میرا ایک بیلی یعنی دوست آویگا۔ اس کو میرے

پیچھے جلدی روانہ کرنا۔ چنانچہ حضرت والد بزرگوار اجازت ملنے کے بعد فوراً روانہ ہوئے اور بمبئی آتش خان کے پاس پہنچے۔ اس نے کہا کہ حضور تمہارے جلدی روانہ کرنے کے متعلق حکم فرما گئے ہیں اور حضور کی کوئی چیز بھی وہاں رہ گئی تھی وہ بھی اس نے حضرت پیر و مرشدم کے حوالہ کی اور ان کی روانگی کا جلدی بندوبست کر کے روانہ کر دیا۔ آپ مکہ مکرمہ میں حضور کی زیارت سے مشرف ہوئے اور یہ سفر چھ ماہ کا تھا۔ اس سارے سفر میں دل و جان سے ہر قسم کی خدمت گزاری کا حق ادا کر کے مورد الطاف و عنایات خصوصی ہوئے۔

حضرت پیر و مرشدم والد بزرگوار اور عم بزرگوار دونوں بھائیوں کی بیعت حضرت خواجہ زینت الاولیاءؒ کے ساتھ ہے۔ حضرت پیر و مرشدم حضرت زینت الاولیاءؒ کے سب اعمال و عادات و نشست و برخاست میں پورے متبع تھے۔ تدریس علوم ظاہریہ سے جو وقت فارغ ملتا۔ اس کو اوراد و نوافل عبادت الٰہی میں صرف فرماتے۔ شام و عشا کے درمیان کا وقت اکثر درود خوانی میں صرف ہوتا تھا۔ نماز عشا کے بعد بھی کافی دیر تک آپ مسجد میں تشریف فرما رہتے۔ اس کے بعد مکان پر تشریف لے جا کر کھانا تناول فرما کر آرام فرماتے۔ عصر اور شام کے درمیان کا وقت بھی مسجد میں تشریف فرما رہتے اور عبادت کا شغل رہتا تھا۔ ابتدائی ایام اوائل عمر میں تدریس پر زیادہ وقت صرف ہوتا تھا اواخر عمر میں زیادہ وقت عبادت میں صرف ہوتا تھا۔ لیکن تدریس سے کوئی حصہ عمر کا خالی نہ تھا۔ چند عرصہ حضرت پیر و مرشدم کی نظر مبارک بوجہ موتیابند کے بند ہو گئی تھی۔ اس وقت بھی آپ تدریس فرماتے رہے۔ حضرت پیر و مرشدم تقویٰ و زہد و توکل علی اللہ وغیرہ صفات حسنہ کے ساتھ بدرجہ اتم موصوف تھے۔ احیاء شرع و سنت نبوی میں حد درجہ کوشش فرماتے۔ حضرت پیر و مرشدم کی حیات ظاہری میں کسی مذہب باطل کی طاقت نہ تھی کہ سر اٹھا سکے۔ بعض افراد اس وقت بھی مذہب شیعہ رکھتے تھے لیکن جب مردم شماری حکومت کی طرف سے ہوئی تو کسی فرد نے بھی اپنے آپ کو شیعہ لکھانے کی جرأت نہ کی۔ نجدی، وہابی، مرزائی کسی کی طاقت نہ تھی کہ شہر میں داخل ہو کر اپنے خیالات باطلہ کا اظہار کر سکے۔ بعض باطنی شیعوں نے حضرت پیر و مرشدم کے برخلاف بہت سازشیں اور

جارحانہ حملے کئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو شرمندہ اور ذلیل کیا اور حضرت کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر مفسد بے دین کے شر سے محفوظ رکھا۔ اس کی صاف اور ظاہر وجہ یہی تھی، کہ حضرت کا ہر قول و فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور شرع الٰہی کے بچانے کی خاطر تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت کی ہر موقع پر کامل امداد فرمائی۔ سچ ہے:

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

(یعنی جس شخص کا فعل و قول اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد اُس کے شاملِ حال ہوتی ہے)

حضرت زینت الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ مبارک میں کتب خانہ کچھ تھوڑی قلمی کتابوں پر اور بعض چھاپ شدہ کتابوں پر مشتمل تھا۔ مگر ساری کتابیں شہر والے گھر میں کچھ صندوق میں کچھ چارپائیوں پر ہوتی تھیں۔ حضرت پیر و مرشدم نے زیارت شریف پر متصل بارہ دری کتب خانہ تعمیر کرایا اور کتابیں زائد خرید فرما کر اور شہر والی کتابیں بھی لاکر کتب خانہ میں رکھیں لیکن چونکہ خرید کتب کا سلسلہ جاری تھا وہ کتب خانہ کتابوں پر تنگ ہو گیا۔ لہٰذا دوسرا بڑا کتب خانہ تعمیر کرایا گیا اور اس میں کتابوں کو لایا گیا۔ لیکن باوجود فراخی کے اس نئے کتب خانہ کی الماریاں بھی اس وقت کتابوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں اور حضرت زینت الاولیاءؒ کے زمانہ مبارک میں ایک چھوٹی سی مسجد موجودہ مسجد کی جگہ پر تعمیر ہوئی۔ حضرت پیر و مرشدم نے اس کو فراخ کیا۔ سابقہ مسجد کی غربی دیوار موجودہ مسجد کی غربی دیوار میں مدغم کرکے باقی دیواریں گرا کر مسجد کو بہت فراخ بنایا گیا۔ روضہ مطہرہ کے اردگرد صفہ جات تعمیر کرائے گئے۔ حضرت پیر و مرشدم نے لنگر خانہ تعمیر کرایا۔ مسجد کے مقابل طلباء کی رہائش کے لئے بہت سی کوٹھیاں تعمیر کرائیں۔ تالاب از سر نو پختہ کرایا۔ بارہ دری کو وسعت دی۔ اس کے غربی اور شمالی جانب دو کمرے تعمیر فرمائے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت پیر و مرشدم کے زمانہ مبارک میں زیارت شریف پر کافی مکانات حسبِ ضرورت تعمیر ہوگئے۔ آخری ایام میں راقم آثم کے رہائش کے لئے کمالِ کرم سے مکانات تعمیر فرمائے۔

حضرت پیر و مرشدم پر اللہ جل شانہٗ کی یہ مہربانی تھی کہ جس وقت کوئی غلام اپنی حاجات یا تکالیف

حضرت پیرو مرشدم کی خدمت میں عرض کرتا۔ اگر اس کے حال پر کرم فرماکر اپنی توجہ مبارک اس کی طرف مبذول فرماتے اور اس کی حاجت یا تکلیف اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں پیش فرماتے تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روا کر دیتا یا تکلیف رفع فرما دیتا تھا۔

راقم آثم نے خداداد خاں صاحب عیسیٰ خیلی سے جس کی بیعت حضرت خواجہ زینت الاولیاؒ کے ساتھ بھی اور حضرت کا بہت ہی مخلص غلام تھا، اس کی زبان سے سنا کہ میں نے عہدہ تھانیداری میں چند عرصہ گزارا میں جب مکھڈ شریف زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ اس وقت راقم آثم کے پیرو مرشد سجادۂ ارشاد پر جلوہ افروز تھے۔ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ تھانیداری کو اب کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ دعا فرماؤ کہ میری ترقی ہو جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے اوپر کون سا عہدہ ہوتا ہے میں نے عرض کی کہ انسپکٹر جس کو کپتان کہتے ہیں۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ میں جس وقت یہاں سے واپس اپنے تھانہ میں پہنچا تو میرے انسپکٹری کے کاغذات مرتب ہو چکے تھے اور جلدی مجھے انسپکٹر بنا دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد میں پھر حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ نام اب پرانا ہو گیا کوئی اور نام تبدیل فرماؤ۔ آپ فرمانے لگے کہ فلانا! اس دربار سے تو کبھی خالی واپس گیا ہے۔ بس اسی فرمان پر میری تسلی ہو گئی۔ میں جب واپس پہنچا تو مجھے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بنا دیا گیا۔ خاں موصوف اخیر تک اسی عہدہ پر فائز رہا۔ باوجودیکہ انگریزی میں اپنے دستخط بھی نہیں کر سکتا تھا۔

راقم آثم نے شیخ عبداللہ مرحوم خادم حضرت پیرو مرشدم سے سنا وہ کہتا تھا کہ میں ایک دن اتفاقیہ طور پر شہر مکھڈ میں گیا اور میاں احمد بخش و محمد بخش رنڈیال جن کو حضرت پیرو مرشدم ماموں کہہ کر پکارتے تھے اور لنگر کا سارا خرچ سوائے خرچ اعراس کے ان کے ذمہ تھا۔ میں ان کے مکان پر چلا گیا۔ اور میرے دل میں خیال آ گیا کہ میں ان سے پتہ کروں کہ ان کا کتنا قرضہ لنگر کے نام ہے۔ میں نے ان کو کہا کہ لنگر کا حساب مجھے دکھاؤ۔ پہلے تو انہوں نے کچھ تامل کیا۔ آخر انہوں نے حساب نکالا تو پانچ ہزار روپیہ لنگر کے نام ان کا قرضہ تھا۔ میں تو حیران ہو گیا کہ اتنا قرضہ ہو گیا اور انہوں نے کبھی ذکر نہیں کیا اور حضرت نے بھی کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ انہوں نے تو کہا کہ کوئی بات نہیں ہے۔

یہ سب کچھ ہمارا مال ان کا اپنا ہے۔ ہم تو بالکل مطالبہ نہیں کرتے جس طرح حضرت کی مرضی ہو کریں لیکن مجھے بہت فکر دامن گیر ہوا کہ اتنا قرضہ جمع ہو گیا ہے۔ یہ کس طرح ادا ہو گا۔ آمدنی نہیں ہے کہ اس قرضہ کو اتار سکے میں جب زیارت شریف پر آیا تو فراغت کے وقت میں نے عرض کی کہ غریب نواز! میں آج رنڈیالوں کے مکان پر گیا اور ان کے کاغذات میں لنگر کا قرضہ دیکھا وہ تو پانچ ہزار ہو گیا ہے اور آپ نے کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ میری بات سن کر حضرت نے فرمایا کہ انہوں نے مطالبہ کیا ہے میں نے عرض کی کہ انہوں نے مطالبہ تو نہیں کیا اور نہ کرتے ہیں مگر جب قرض ہے تو ضرور دینا ہے۔ حضرت نے دو تین دفعہ اسی کلمہ کا اعادہ فرمایا کہ انہوں نے مانگا ہے اور میں نے یہی جواب عرض کیا۔ آپ خاموش ہو گئے۔ شیخ صاحب موصوف کہتا تھا کہ اس کے بعد ایسی جگہوں سے رقمیں آنی شروع ہو گئیں کہ جن کا خیال و گمان بھی نہیں تھا اور تھوڑے عرصہ میں وہ سارا قرضہ ادا ہو گیا۔

حضرت پیرو مرشدم کی موتیا بندگی وجہ سے دونوں آنکھوں کی نظر بند ہو گئی تو آپ اپریشن کرانے سے گریز فرماتے۔ اگر کوئی غلام عرض کرتا تو فرماتے کہ سنا ہے کہ اپریشن کے بعد چند ایام ڈاکٹر لوگ بالکل مریض کو ہلنے جلنے سے منع کرتے ہیں تو اس صورت میں نماز کیسے ادا ہو سکتی ہے۔ کیا معلوم کہ انہی ایام میں موت آجاوے اور قضا کا وقت نہ مل سکے۔ اس لئے میں اپریشن نہیں کراتا۔ اخیر حضرت خواجہ محمود غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار اور فرمان سے موگا تشریف لے گئے وہاں اس وقت ایک ہندو ڈاکٹر اس کام میں بہت نامور تھا۔ اس کے پاس تشریف لے جا کر دونوں آنکھوں کا اپریشن کرایا۔ اس وقت جو خدام ہم رکاب تھے ان کا کہنا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نماز بھی قضا نہیں ہوئی۔ خصوصی ایام میں آپ اشارہ سے نماز پڑھتے رہے۔ بعد میں پورے رکوع و سجود سے ادا فرماتے رہے اور اس حرکت سے اللہ تعالیٰ نے آنکھوں مبارک کو ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھا۔ نظر مبارک بالکل صحیح بن گئی۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت زینت الاولیاء رضی اللہ عنہ کا وصال جو کہ ۱۲۹۵ھ میں ہوا ہے۔ اس وقت پیر

ناصور بود شیخ حمید بیتی × شد نگار از خلد واجد وصل × بلبلی گل عمر محی الدین ۹۴ حیثمہ فیض ادھر دم آباد والی حویلی باغ نور الدین
۱۳۳۸ھ ۱۳۳۸ھ ۱۳۳۸ھ

مرشدم کی عمر شریف تقریباً بیس سال تھی۔ اس کے بعد تینتالیس سال اپنے منصبِ مقررہ پر باحسن وجوہ گذار کر ۱۳۳۸ھ ماہ ذی الحجہ روز منگل بعد از طلوع آفتاب موسم اعتدام گرما میں ہم سب غلامان کو روتا چھوڑ کر راہی فردوس بریں ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

آپ کا مزارِ مبارک روضہ مطہرہ کے اندر حضرتِ مولٰنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پاک کے متصل جانبِ غرب بنایا گیا۔

قسم تیسرا

عم بزرگوار حضرت مولوی شمس الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں

عم بزرگوار نہایت خوش روی اور خوش خلق تھے۔ آپ سب علوم سے کامل بہرہ رکھتے تھے اور فارغ التحصیل عالم تھے۔ چند عرصہ موضع لنگڑیال میں استاذ صاحب مولوی غلام رشید صاحب کی خدمت میں مقیم رہے۔ ایک دفعہ ہندوستان بھی تشریف لے گئے۔ وہاں بھی علم پڑھتے رہے۔ آپ نہایت خوش تقریر تھے۔ طلباء آپ کی تقریر کو بہت پسند کرتے تھے۔ بہت دل نشین تقریر فرماتے تھے جیسے غالب مرحوم کہتا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا،
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

عم بزرگوار پر حضرتِ خواجہ محمود غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حد سے زیادہ مہربانی تھی حتیٰ کہ اگر کہا جاوے کہ حضرت صاحب عم بزرگوار پر عاشق تھے تو بالکل بے جا نہ ہوگا۔ حضرت صاحب کی مہربانی اور صحبت کی وجہ سے عم بزرگوار کو بھی گھوڑوں کی سواری اور بازوں کے شکار کا شوق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو گھوڑے اچھے اور بے نظیر عطا فرمائے اور باز بھی بہت اچھے عطا فرمائے۔ موسمِ سرما میں ایک مہینہ حضرت صاحب کی ہم رکابی میں شغلِ شکار کرتے اور جو چیز رکھتے، اس کے ساتھ ایسی محبت فرماتے کہ وہ چیز ان پر عاشق ہو جاتی اور اس کو بغیر ان کے دیکھے کے آرام نہ آتا۔

عم بزرگوار نے اپنی رہائش کے لئے روضہ مطہرہ سے شرقی جانب کچھ فاصلہ پر ایک بنگلہ نہایت خوبصورت

خوش جمال بود وماہ وصال × شد ز دنیا بحج کامل × ساکن تبتی × اوصاف صمد کرم محی الدین عالم مرد کامل ×
۱۳۳۸ھ ۱۳۳۸ھ

تعمیر فرمایا اور اس کے شرقی جانب حویلی پردہ دار تعمیر فرمائی اور یہ چیزیں ان کی خداداد ذاتی آمدنی سے تھیں۔ ان اخراجات کا بوجھ لنگر پر نہیں ڈالتے تھے۔ ان کی آمدنی کے متعلق ان کے ہمنشیں ذکر کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک چھوٹا سا صندوقچہ تھا جس وقت کوئی شخص کام کرانے والا اپنے کام کا بل پیش کرتا یا زبانی عرض کرتا کہ اتنی رقم فلانی چیز پر لگ چکی ہے یا اتنی رقم درکار ہے۔ اس کو آپ اس صندوقچہ کی چابی دیتے کہ اندر جا کر نکال لے وہ جاتا تو اسی مقدار کی رقم نہ کم نہ زیادہ اس میں موجود ہوتی وہ اٹھالیتا۔ اس بات کا کسی کو علم نہ ہو سکا کہ یہ رقم کہاں سے آتی ہے اور کیسے آتی ہے۔

عمّ بزرگوار بظاہر وظیفہ خوانی نہیں فرماتے تھے۔ ظاہری طور پر شان و شوکت و مجلس و گفتگو امیرانہ تھی مگر خفیہ لوگوں سے چھپ چھپ کر عبادتِ الٰہی کرتے۔

عمّ بزرگوار بہت زور آور پہلوان تھے۔ ان کا زور وہ خداداد تھا کہ ایک دن راقم آثم نے خود ان کی زبانِ مبارک سے سنا کہ کسی نے مجھ سے کشتی کرنے یا بازو پکڑنے میں پیش دستی اور غلبہ نہیں کیا۔ اس کے متعلق لوگوں سے بہت قصے جو ان کے فرمان کی تصدیق کرتے ہیں سننے میں آئے ہیں۔

عمّ بزرگوار حضرت والدم بزرگوار سے تقریباً پانچ سال چھوٹے تھے۔ آپس میں بھائیوں کی ایسی محبت تھی کہ ایک دوسرے پر عاشق تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ راقم آثم نے بہت سے لوگوں سے سنا کہ والد بزرگوار اور عمّ بزرگوار کے درمیان بارہ دری میں کسی بات پر گفتگو شروع ہو گئی جس کا انجام ناراضگی پر ہوا۔ عمّ بزرگوار ناراضگی کی وجہ سے اٹھ کر اپنے مکان پر چلے گئے۔ وہاں پہنچتے ہی ان کے دل میں خیال آیا کہ بڑی غلطی ہوئی ہے کہ میرا بھائی مجھ پر ناراض ہو گیا ہے اور میں بغیر ان کے راضی کئے اٹھ کر چلا آیا ہوں۔ اس خیال کے آنے پر آپ فوراً بارہ دری کی طرف واپس لوٹے۔ ادھر حضرت والدِ بزرگوار کے دل مبارک میں خیال گزرا کہ میرا بھائی مجھ سے ناراض ہو کر اٹھ گیا ہے میں اس کے مکان پر اس کو راضی کر دوں۔ اس خیال کے ماتحت آپ بارہ دری سے بنگلہ کی طرف روانہ ہو پڑے۔ راستہ میں ایک دوسرے کو آتا دیکھ کر محبت اور پیار سے بغلگیر ہوئے اور ایک دوسرے سے معافی چاہی۔

عمّ بزرگوار آخری حصہ عمر میں چند سال متواتر بیمار رہے۔ بہت علاج کئے گئے۔ حضور حضرت خواجہ

محمود غریب نواز بھی تشریف لائے اور ایک معتمد حکیم صاحب کو بھی علاج کے لئے لائے اور آپ تشریف لے گئے اور حکیم صاحب کو علاج کے لئے متعین فرما گئے مگر کوئی فائدہ مرتب نہ ہوا۔ اس بیماری سے آپ بہت نحیف و کمزور ہو گئے مگر استقلال و علو ہمتی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ آخر حضرت زینت الاولیاءؒ سے بعد ہفتیس دوم سال گزار کر ۱۳۳۰ھ سوم ربیع الاول شب پنجشنبہ میں مردانہ وار جانِ عزیز جان جاناں کے سپرد کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

عم بزرگوار نے اپنی وفات سے تھوڑی دیر پہلے میاں غلام محمد صاحب ٹیامنی کو بلا کر سب وصایا مفصل بیان کر کے اپنے پیراہن مبارک کو چاک کر کے کلمہ شہادت پڑھ کر جان بحق تسلیم فرمائی۔ اسی سال محرم میں فقیر صاحب میر اشریف والے کا انتقال ہوا تھا کسی آنے والے سے عم بزرگوار نے ان کی موت کا حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ عم بزرگوار نے سن کر فرمایا کہ فقیر صاحب کو مرنے کا طریقہ نہیں آیا۔ اپنے وصال کے وقت انہوں نے بتا دیا کہ مردانِ خدا اس طرح جان دیتے ہیں۔

ان کا مزار مبارک اپنے والد بزرگوار میاں محمد صاحب سے غربی جانب بنایا گیا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

اب میں اس کتاب کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس عاجز ناکارہ کی یہ سعی منظور فرماوے اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ بہبودی و عافیت دارین نصیب فرماوے اور خسران دنیا و آخرت سے محفوظ و مصئون فرماوے۔

اَللّٰھُمَّ اخْتِمْ بِالسَّعَادَاتِ اٰجَالَنَا وَ حَقِّقْ بِالزِّیَادَاتِ اٰمَالَنَا وَاَقْرِنْ بِالْعَافِیَۃِ غُدُوَّنَا وَ اٰصَالَنَا وَاجْعَلْ اِلٰی رَحْمَتِکَ وَ مَغْفِرَتِکَ مَصِیْرَنَا ۔ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حَمْدًا کَثِیْرًا

کَثِیْرًا

سوئم تاریخ از اول ربیع بود
ہزار و سہ صد و سی سال ہجرت
وصال شمس الدین ... جہاں بود
خجستہ سیرت و فرخندہ صورت
۱۳۳۰ھ

مالکان این درگاہ خادم حافظ نور محمد ... عبد الحی الدین ...

بیعت یعنی کسی ولی اللہ عارف باللہ یا اس کے صحیح مجاز کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اس کے متعلق شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے منجھلے صاحبزادے ہیں اور ان کی ذاتِ بابرکات ترجمہ قرآنِ کریم کی وجہ سے زیادہ تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ایک رسالہ بیعت کے نام سے آپ نے لکھا ہے۔ اس رسالہ میں اس سوال یعنی بیعت یا پیری مریدی کا جو طریقہ مسلمانوں میں مروج ہے اس کا فائدہ کیا ہے۔شاہ صاحب نے اسی سوال کا جواب دینا چاہا ہے۔

وہ دریافت فرماتے ہیں کہ بیعت حاصل کرنے والے کی غرض وغایت کیا ہے؟ پھر خود فرماتے ہیں کہ ایک مقصد تو عامیانہ ہے۔یعنی "حصُولِ مال وجاہ یا حصول حاجات دنیاوی"۔یعنی انکا مقصد بیعت سے صرف دنیاطلبی ہوتی ہے۔اس کا نام بیعتِ معیشت ہے۔فرماتے ہیں کہ اس بیعت کا کوئی اعتبار نہیں۔محض ظاہری طور پر اس پر بیعت کا لفظ بولا جاتا ہے مگر حقیقتاً اس پر بیعت کا اطلاق ناجائز ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ ایک بیعت وسیلت ہے یعنی چونکہ بعض اولیاء اللہ مقربین بارگاہِ کبریا بطورِ احسان حق تعالیٰ کی طرف سے بعض بشارتوں اور وعدوں سے سرفراز ہیں۔اس لئے بعض لوگوں میں یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ ان بشارتوں اور وعدوں سے استفادہ کا موقع ہمیں بھی حاصل ہو جاوے۔لہٰذا ان مشائخ کے نائبین سے جس تک ان کی رسائی ہو سکتی ہے۔اسی استفادہ کی نیت سے ان کے ساتھ بیعت کر لیتے ہیں۔گویا ان کا مطلب اپنے آپ کو ان مشائخ کے سلسلہ میں داخل کرنا ہوتا ہے تاکہ

اس تعلق سے ان مشائخ کبار کا فیض ان تک پہنچ سکے۔ اس کا نام "بیعت وسیلت" ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس بیعت کا فائدہ یہ ہے کہ ان مشائخ سے قبر اور حشر میں ان بیعت کرنے والوں کا ایک قسم کا اتصالی رشتہ قائم ہوجاتا ہے اور مرید کو ان سے وقتاً فوقتاً امداد ملتی رہتی ہے۔ یعنی اس بیعت سے طالب کو دنیا و آخرت میں فائدہ پہنچتا ہے۔ ایسا فائدہ جس کی توقع بیعت کی سعادت حاصل کئے بغیر نہیں کی جا سکتی۔
تیسرا قسم بیعت کا شاہ صاحب نے "بیعت شریعت" فرمایا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ایک شخص جس کی عمر گناہ اور بے فرمانیوں میں گذری ہو، اس میں اچانک ایک چونک پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ زندگانی کا بقیہ حصہ پرہیز گاری اور فرمانبرداری میں گذاروں لیکن چونکہ کوئی انسان محض قرآن کریم اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے صحیح راہ نہیں پا سکتا۔ جیسے کوئی مریض محض طب کی کتابوں کے مطالعہ سے اپنا علاج نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ کسی طبیب حاذق کی طرف رجوع نہ کرے مرض کا ازالہ مشکل ہے۔ اسی طرح طالب راہ حق جب تک کسی پرہیز گار عالم کی نگرانی اپنے اوپر لازم نہ کر لیوے اور اپنے آپ کو اس کے فیصلوں کا تابع نہ بنا لیوے۔ اس وقت تک شرعی مطالبات کے مطابق اپنے آپ کو کر لینا آسان کام نہیں۔ اس بنیاد پر ندامت و توبہ کے بعد کسی خاص عالم متقی کا انتخاب کر کے اس کے ساتھ بیعت کی جاتی ہے۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کی زیر تربیت شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کی راہ ان پر آسان ہوجاوے۔ شاہ صاحب کا مشورہ یہ ہے کہ اس کام کے لئے جو پیر منتخب کیا جاوے ایک تو یہ ہے کہ وہ صحیح الفکر والخواص ہو اور اس میں یہ خصوصیت ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی اور چشم پوشی نہ کرے۔ دوسری خصوصیت یہ ہو کہ طالب کی استعداد اور فطری میلانات کو مدنظر رکھ کر ان ہی باتوں کی طرف اس کی رہنمائی کرے جو اس کے لئے بہتر بھی ہوں اور آسان بھی ہوں اور طالب کو مشورہ دیا ہے کہ اپنے مرشد کی کامل اتباع اپنے اوپر لازم کرے اور اپنے اختیار کی باگ اسی کے ہاتھ میں دے دیوے اور اس بیعت کا فائدہ، شاہ صاحب فرماتے ہیں، کہ آخرت میں نجات کلی اور دخول جنات علیٰ اور رضائے مولیٰ ہے۔

چوتھا قسم بیعت کا شاہ صاحب نے "بیعتِ طریقت" فرمایا ہے اور اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ بلند ہمت والے لوگ جب اولیاء اللہ کی تعریفیں اور ان کے تصرفات عجیبہ دیکھتے سنتے ہیں، جیسے ان کی توجہ سے لوگوں کی حوائج و مرادات کا پورا ہونا اور ان کا لوگوں کے دلوں پر تصرف کرنا اور گزرے ہوئے لوگوں کا حال ان پر منکشف ہوتا اور آئندہ واقعات کا ان کو علم ہو جانا اور ارواح پاک سے ملاقات کرنا وغیرہ وغیرہ تو ان کے دلوں پر ان کمالات کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے تو اس شخص کو جو کہ ان کمالات سے سرافراز ہوتا ہے اور اس قسم کے آثار کا ظہور اس شخص کی ذات سے ہوتا ہے، اس کو اپنا استاذ پیر بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور اسکی تابعداری وفرمانبرداری کا حق ادا کر کے جس قسم کے نفسانی وجسمانی مجاہدات کا حکم شیخ ان کو دیتا ہے اس کی کما حقہٗ تعمیل کر کے اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کی وجہ روح کدوراتِ جسمانی سے مصفّا ہو جاتی ہے اور انوارِ رحمانی و اسمائے ربّانی سے منور و مکمّل ہو جاتی ہے۔ تب وہ لوگ بندگانِ خدا کے لئے سرچشمۂ فیض بن جاتے ہیں اور ان کی ذاتِ بابرکات کے ذریعہ سے لوگوں کی مشکلات حل ہوتی رہتی ہیں۔

پانچویں قسم شاہ صاحب نے بیعت حقیقت فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ بعض افراد انسانی ایسے ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کو اپنے جمال کے مشاہدہ کے واسطے شیشہ بنایا ہے اور اپنے مرادات کے اجراء کے لیئے ان کو آلۂ کار مقرر فرمایا ہے۔ روزِ ازل سے حق تعالیٰ ان کی روحوں میں اپنی ذاتی محبت کا تخم بو دیتے ہیں۔ ان کی فطرت میں جو راز چھپا ہوتا ہے کسی تقریب سے اس میں جوش اور شورش پیدا ہو جاتی ہے اور ان کے دلوں کی پوشیدہ باتیں اچانک نکل کر بکھر جاتی ہیں۔ وہ اس بات کے مشتاق ہوتے ہیں کہ کائنات کا جو پردہ ان کے اور خدا کے درمیان ہے۔ اس کی مزاحمت نہ رہے اور ان کو حق تعالیٰ کا دوام حضور حاصل ہو جاوے۔ جمالِ ازلی کے یہ عاشق ہوتے ہیں۔ بغیر اس کے ان کو چین نہیں ملتا۔ اپنی ہستیٔ موہوم کے فنا اور وجود الٰہی کے ساتھ بقا کو تہِ دل سے متلاشی ہوتے ہیں اور چونکہ بغیر انبیاء علیہم السلام کے کسی شخص کی ذات

میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ بغیر کسی مرشد کے اس لضب العین تک خود بخود پہنچ سکے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کسی شیخ کامل کو ان کی تربیت کے لئے مقرر فرما دیتا ہے تاکہ ان کے ساتھ بعیت کر کے وہ اس لضب العین تک پہنچ جاویں۔ ان لوگوں کو مراد کہا جاتا ہے۔ یہ اپنے پیروں کے مراد ہوتے ہیں۔ مرید نہیں ہوتے۔

خلاصۃ المرام یہ ہے کہ شاہ صاحب نے بعیت کے پانچ اقسام بیان فرمائے۔ پہلی قسم کو محض بے فائدہ اور لایعنی قرار دیا ہے۔ باقی چار اقسام کی تشریح اور فوائد مکمل طور پر بیان فرما دیئے ہیں جس میں زیادہ تفصیل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

وَاللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ وَّاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

(فیروز سنز لمیٹڈ لاہور)

شجرہ نسب حضرت خواجہ مولانا مولوی غلام محی الدین رح مکھڈوی سجادہ نشین خانقاہ حضرت خواجہ مولانا محمد علی صاحب رضی اللہ عنہ مرحوم تا حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ مولانا مولوی غلام محی الدین احمد رح
ابن
صوفی میاں محمد صاحب رح
ابن
حافظ محمد محسن صاحب رح
ابن
مولوی محمد ابراہیم صاحب رح
ابن
اللہ نور صاحب رح
ابن
عبدالخالق صاحب رح
ابن
عبدالواحد صاحب رح
ابن
عبدالشکور صاحب رح
ابن
عبدالغفور صاحب رح
ابن
عبدالرحمن صاحب رح
ابن
عبداللہ نوری صاحب رح
ابن
عجیب عرف جیب رح
ابن
عالم دین رح
ابن
گوہر دین رح
ابن
دین محمد رح
ابن
باقر دین رح
ابن
شاہ رخ رح
ابن
مراد بخش رح
شہاب الدین رح
ابن
مولوی عبداللہ رح
ابن
تر بڑ رح
ابن
طاہر علی رح دطور علی عرف زربڑ
ابن
سدا نگ رح عرف سارنگ
ابن
حسن دوست رح و سید محمد عرف سندوح و سنجرو
ابن
محمود خان رح و احمد علی بدرالدین عرف بدّہو
ابن
عبداللہ گوہر علی رح المعروف گورلڑا و گورڑا
ابن
قطب شاہ رح اسمعہ عون
ابن
یعلی رح
ابن
حمزہ رح
ابن
طیار رح
ابن
قاسم رح
ابن
علی رح
ابن
جعفر رح
ابن
حمزہ رح
ابن
حسن رح
ابن
عبید اللہ رح
ابن
عباس رض
ابن
حضرت علی رض ابن ابی طالب

صوفی میاں محمد صاحب رح
|
حضرت مولوی مولانا خواجہ شمس الدین رضی اللہ عنہ
|
مولوی قمرالدین صاحب

حضرت خواجہ مولوی مولانا غلام محی الدین احمد رضی اللہ عنہ

- مولوی احمد الدین صاحب
  - مولوی فضل الدین صاحب
    - فتح الدین صاحب
  - شرف الدین صاحب
  - محمد علی صاحب
- مولوی محمد الدین صاحب
  - محمد صالح صاحب
- مولوی غلام زین الدین صاحب
  - معین الدین صاحب
    - جمال الدین صاحب
  - نصیر الدین صاحب
  - قطب الدین صاحب
  - علاؤ الدین صاحب

پس اس سلسلہ مبارکہ سے عیاں ہے کہ حضرت خواجہ غلام محی الدین صاحب بوجہ قطب شاہی اعوان ہونے کے قریشی ہاشمی نسباً ہیں اور قطب شاہ صاحب کے متعلق تاریخ میزان قطبی اور تاریخ میزان ہاشمی اور خلاصۃ الانساب میں یہ عبارت ہے

واما عون ابن یعلی العلوی و ھو المشھور فی الھند بقطب شاہ۔ ترجمہ۔ عون ابن یعلی علوی ہندوستان میں مشہور قطب شاہ علوی سے ہیں۔ اور دوسری عبارت یہ ہے :-

واما عون ابن یعلی ھو شیخ اھل سنۃ والجماعۃ و رئیس ھذ الطائفۃ جلیل القدر عظیم المرتبۃ قطب الزمان فی الطریقۃ وصاحب العرفان فی الحقیقت عظیم الشان فی الشریعۃ سافر من البغداد الی الھند وقام ھنا فتشرف من الناس ببرکتہ نفسہ الشریفۃ بالایمان والاسلام فکانہ کان قطبا من جانب الشیخ عبد القادر الجیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی الھند فلھذا اشتھر لقبہ فیہ بقطب شاہ واشتھر اولادہ فیہ باسمہ اعوان انتہی۔

ترجمہ یہ ہے۔ عون ابن یعلی شیخ اہل سنت والجماعت کے ہیں اور رئیس الطائفہ ہیں جلیل القدر اور عظیم المرتبہ ہستی ہیں شریعت کے قطب زمان ہیں اور حقیقت کے صاحب عرفان اور شریعت میں عظیم الشان ہیں۔ بغداد شریف سے ہندوستان آئے اور یہاں ٹھیرے آپکی برکت سے کافی لوگ مشرف بایمان ہوئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رح کے فیض سے قطب الہند ہوئے اور انکا لقب قطب شاہ مشہور ہوا اور انکی اولاد اعوان سے مشہور ہوئی۔ ان ہر دو عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قطب شاہ نسباً علوی ہیں یعنی اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اصلی نام آپکا عون بن یعلی ہے اور قطب شاہ آپکا لقب۔ سلسلہ نسب حضرت علی رض رضی اللہ عنہ کے لڑکے حضرت عباس رض سے ملتا ہے اور حضرت علی رض کی نسب صرف پانچ لڑکوں سے جاری ہے۔

ملاحظہ ہو صہ ۳۳۲ البدایہ والنھایۃ ج سابع

وانما کان النسل من خمسۃ وھم الحسن و الحسین ومحمد ابن الحنفیۃ والعباس بن الکلابیۃ وعمر بن التغلبیۃ رضی اللہ عنہم

(فیروز سنز لمیٹڈ لاہور)

السلام و علیکم
امید کرتا ہوں آپ خیریت سے ہوں گے
اس کتاب کو پی ڈی ایف کرنے کا مقصد
فی سبیل للہ فراہم کرنا ہے لہذا اس سے
تجارتی مقصد نہیں ہے اس کو پڑھ کر
آگے سنڈ کریں اور اس بندہ ناچیز کو
اپنی دعاوں میں یاد رکھیں

pdf by
خلیفہ مدنی تونسوی
تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی
خان پاکستان
+923321717717